جامعہ مدنیہ لاہور کا ترجمان

علمی دینی اور اصلاحی مجلّہ

# انوارِ مدینہ

لاہور

بیاد

عالمِ ربانی محدّثِ کبیر حضرۃ مولانا سید حامد میاں رحمۃ اللہ علیہ

بانی جامعہ مدنیہ

جنوری ۱۹۹۷ء

نگران

مولانا سید رشید میاں مدظلہٗ

مہتمم جامعہ مدنیہ، لاہور

رمضان المبارک ۱۴۱۷ھ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

ماہنامہ

# انوار مدینہ

جلد : ۵ رمضان المبارک ۱۴۱۷ھ - جنوری ۱۹۹۷ء شمارہ : ۴

مدیر
سیّد محمود میاں
مدرس و نائب مہتمم جامعہ مدنیہ لاہور

بدلِ اشتراک

پاکستان فی پرچہ ۱۰ روپے ------ سالانہ ۱۱۰ روپے

سعودی عرب، متحدہ عرب امارات --- " ۴۵ ریال

بھارت، بنگلہ دیش ------- " ۱۰ امریکی ڈالر

امریکہ افریقہ --------- " ۱۶ ڈالر

برطانیہ --------- " ۱۷ ڈالر

○ اس دائرہ میں سُرخ نشان اس بات کی علامت ہے کہ

ماہ . . . . سے آپ کی مدتِ خریداری ختم ہوگئی ہے، آئندہ رسالہ

جاری رکھنے کے لیے مبلغ . . . . . . ارسال فرمائیں۔

ترسیلِ زر و رابطہ کیلئے دفتر ماہنامہ "انوارِ مدینہ" جامعہ مدنیہ کریم پارک لاہور

کوڈ ۵۴۰۰۰ فون ۲۰۱۰۸۶-۷۷۲۴۳۷۳

فیکس نمبر ۷۷۲۶۷۰۲ - ۴۲ - ۹۲

○

سید رشید میاں طابع و ناشر نے شرکت پرنٹنگ پریس لاہور سے چھپوا کر
دفتر ماہنامہ "انوارِ مدینہ"، جامعہ مدنیہ کریم پارک لاہور سے شائع کیا۔

## اِس شمارے میں


حرفِ آغاز ——— ۳

درسِ حدیث ——— حضرت مولانا سیّد حامد میاں ؒ ——— ۶

رحمۃ للعالمین ؐ اور سیاسی انقلاب ——— حضرتِ اقدس مولانا سیّد محمّد میاں ؒ ——— ۱۳

شرافتِ انسانی ——— حضرت مولانا سیّد اسعد مدنی صاحب ——— ۲۱

حیلے اور بہانے ——— حضرت مولانا عاشق الٰہی بلند شہری ——— ۲۴

مسائلِ زکوٰۃ ——— حضرت مولانا سیّد حامد میاں ؒ ——— ۳۰

ماہِ مُبارک کو مکدّر نہ کیجیے ——— مولانا محمّد عاشق الٰہی البرنی مدینہ منورہ ——— ۳۶

زبان و رنگ و نسلی امتیاز ——— منظور احمد بڈھولی ——— ۳۹

سفرنامہ ——— جناب ڈاکٹر محمود الحسن ——— ۴۴

تحفۂ اصلاحی ——— حضرت مولانا ڈاکٹر عبد الواحد صاحب ——— ۴۸

حاصلِ مطالعہ ——— حضرت مولانا نعیم الدّین صاحب ——— ۵۶



رابطہ: دفتر کراچی

حضرت مولانا قاری شریف احمد صاحب مدظلہ، خطیب جامع مسجد سٹی اسٹیشن کراچی

انڈیا میں رابطے کے لیے

حضرت مولانا سیّد رشید الدّین صاحب حمیدی مدظلہ العالی، مہتمم مدرسہ شاہی مرادآباد یو۔پی۔انڈیا

بسم اللہ الرحمن الرحیم

# حرفِ آغاز

سیّد محمود میاں

نحمدہ ونصلی علی رسولہ الکریم - امابعد!

گزشتہ ماہ ۲۱؍ دسمبر کو نگران وزیرِ اعظم جناب ملک معراج خالد نے لاہور ہائی کورٹ بار سے خطاب میں کہا کہ "کرپشن کے بارے میں شواہد اکٹھے کیے جا رہے ہیں جو آج کل ٹیکنیکل (فنی اور ہنر کی چیز) ہو چکی ہے۔ کرپشن کرنے والے نشان تک نہیں چھوڑتے ہم اس سلسلہ میں بالکل ناکام ہو چکے ہیں"۔ وزیرِ اعظم کے اس بیان اور اعتراف ناکامی سے مزید خدشات نے جنم لیا اور بہت سے سوالات پیدا ہوئے۔ پہلا سوال تو یہ پیدا ہوتا ہے کہ جب وزیرِ اعظم اپنی ناکامی کا اعتراف کر ہی چکے تو اب اُن کا بطورِ وزیرِ اعظم اس عہدہ پر برقرار رہنے کا قانوناً اور اخلاقاً کیا جواز باقی رہتا ہے۔ ہونا تو یہ چاہیے تھا کہ وہ اسی اعتراف کے ساتھ ہی مذکورہ عہدہ سے مستعفی ہو جاتے تاکہ حکومتی منصب سے (بقول اُن کے) ان کی دیانتدارانہ وابستگی پر مہرِ تصدیق ثبت ہوتی اور آئندہ کے لیے احساس ذمہ داری اور دیانت کی زندہ مثال قائم ہو جاتی اور کم از کم اس میدان میں عرصے سے قائم ہندوستانی سیاستدانوں کی دیانت اور اخلاقی برتری پر روک کی ابتداء تو ہوتی، لیکن افسوس ملک صاحب بھی سابقہ حکمرانوں کی طرح من کی خواہشات پر چل نکلے اور بیرونی دُنیا کا پاکستانی سیاستدانوں کے بارے میں سابقہ خراب تأثر برقرار رہا۔ دوسری بات یہ ہے کہ وزیرِ اعظم صاحب نے فرمایا کہ آج کل کرپشن فن اور ہنر بن چکی ہے، لہٰذا یہ فن کار اس کا کوئی نشان تک نہیں چھوڑتے، اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ آج کل سے اُن کی مُراد صرف سابقہ حکمران کا دَور ہے یا اس سے پچھلے حکمرانوں کا دَور بھی اس میں شامل ہے جس میں ۲۵، ۳۰ سالہ دَور ایسا ہے کہ خود وزیرِ اعظم صاحب

اس میں عملاً حصہ دار بلکہ برابر کے شریک رہے، پنجاب کے وزیرِ اعلیٰ رہے۔ قومی اسمبلی کے اسپیکر رہے وغیرہ وغیرہ
ظاہر بات ہے۔ کرپشن کے پھیلے ہوئے تار کہیں نہ کہیں سے وزیرِ اعظم کو چھوتے ہوں گے۔ جب حمام میں سارے
ہی ننگے نکلے کوئی ایک دوسرے کو کیونکر کہہ سکتا ہے کہ تم ننگے ہو، ہمیں اس پر اصرار نہیں کہ کرپشن میں براہِ راست
ملوث ہوئے ہوں، لیکن یہ ممکن ہے کہ چشم پوشی سے کام لے لیا ہو، البتہ کسی بھی ذمہ دار شخصیت کا چشم پوشی سے
کام لینا بھی کرپشن کے زمرہ میں آتا ہے اور وزیرِ اعظم کی یہ بات تو بہت ہی مضحکہ خیز ہے کہ کرپشن کا نشان
نہیں چھوڑتے" ہائی کورٹ بار کے وکلاء کے مجمع میں ایسی ان ہونی بات کہنا "آ بیل مجھے مار" کا بالکل صحیح مصداق
ہے اور روزانہ سینکڑوں سول اور فوجداری مقدمات کی پیروی کرنے والی وکلا کی بار کا اس کو ہضم کر جانا
چڑھتے سورج کی پوجا اور ہائی کورٹ بار کی بے اعتباری پر بہت بڑی دلیل ہے۔ یہ تو ہمیشہ سے ہوتا آیا ہے
کہ مجرم اپنے چھوٹے سے جرم پر بھی پردہ ڈالنے کے لیے پیش بندی اور منصوبہ بندی کرتا ہے، مگر اس میں کبھی بھی
سو فیصد کامیاب نہیں ہوتا۔ بس اپنے تئیں دل کی تسلی کرتا ہے مگر جہاں پر اتنے بڑے پیمانے پر کھلم کھلا چھپلے
ہوئے ہوں کیسے مان لیا جائے کہ اُن کے نقوش مٹ چکے ہیں، سچے آدمی پر جتنی بھی جرح کی جائے اس سے اس کو
مزید فائدہ ہوتا ہے اور کیس مضبوط ہوتا چلا جاتا ہے۔ اس کے برعکس جھوٹے شخص پر جتنی زیادہ جرح کی جائے
گی اس کا جھوٹ کھلتا چلا جائے گا اور کیس کمزور پڑ جائے گا یہی وجہ ہے کہ مخالف وکیل سچے آدمی پر جرح کرنے
سے گریز کرتا ہے ــــ اور جھوٹے پر خوب جرح کرتا ہے اگر حکومت نے صحیح معنی میں کرپٹ لوگوں کا تعاقب
کیا ہوتا تو کیسے ممکن تھا کہ حکومت کو اُس کے ثبوت فراہم نہ ہوتے، مگر بات وہی ہے کہ اس حمام میں سب
ننگے ہیں ہمیں حکومت کے احتسابی اعلانات اور کرپشن کے خلاف کارروائی کے اس انجام کا اندازہ اسی وقت
ہو گیا تھا جب تقریباً ایک ماہ قبل احتسابی عمل سے صدر وزیرِ اعظم اور پاک فوج کے سربراہان کا استثناء
کیا گیا تھا۔ استثناء اس بات کی علامت ہے کہ کرپشن کی جڑیں دُور تک پھیل ہوتی اور انتہائی گہری ہیں اور
بلا استثناء ہر شخص اس میں ملوث ہے، ورنہ تو استثناء کی ضرورت کیوں پیش آتی! یہودیوں کا یہ طریقہ رہا ہے
کہ جب عام آدمی کوئی جرم کرتا تو فوراً سزا جاری کر دیتے اور اگر کوئی بڑا آدمی اسی جرم کا ارتکاب کرتا تو اُس
کو مختلف حیلوں بہانوں سے بچاتے یا ہلکی پھلکی سزا دے دیا کرتے اور خدائی احکامات کو پس پشت ڈال
دیتے جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ دُنیا و آخرت میں ہمیشہ کے لیے رسوا ہوئے جو بڑائی اور خصوصیات اللہ تعالیٰ نے
اُن کو دے رکھی تھیں سب چھین لی گئیں۔ باری تعالیٰ کا ارشاد ہے۔ فبظلم من الذین ھادوا حرمنا علیھم طیبات

لحلت لھم وبصدھم عن سبیل اللہ کثیرًا واخذھم الربوا وقد نھوا عنہ واکلھم اموال الناس بالباطل واعتدنا للکفرین منھم عذابا الیما پ ۶ ر ۲۔ ترجمہ: سو یہود کے گناہوں کی وجہ سے ہم نے حرام کیں ان پر بہت سی پاک چیزیں جو ان پر حلال تھیں اور اس وجہ سے کہ روکتے تھے اللہ کی راہ سے بہت اور اس وجہ سے کہ سود لیتے تھے اور اُن کو اس کی ممانعت ہو چکی تھی اور اس وجہ سے کہ لوگوں کا مال کھاتے تھے ناحق اور تیار کر رکھا ہے ہم نے کافروں کے واسطے جو ان میں ہیں۔ عذاب دردناک۔ ایک اور ارشاد میں فرمایا، فبما نقضھم میثاقھم لعنٰھم وجعلنا قلوبھم قاسیۃ یحرفون الکلم عن مواضعہ ونسوا حظا مما ذکروا بہ (پ ۶ ر ۷) ترجمہ: سو اُن کے عہد توڑنے پر ہم نے ان پر لعنت کی (رحمت سے دُور کر دیا) اور کر دیا اُن کے دِلوں کو سخت پھیرتے ہیں کلام کو اُس کے ٹھکانے سے یعنی خدا کے کلام میں تحریف کرتے ہیں کبھی اس کے الفاظ میں کبھی معنی میں کبھی تلاوت میں کلام پاک میں بیان کی گئی یہودیوں کی گندی فطرت قریب قریب من حیث القوم ہمارے اندر بھی سرایت کر چکی ہے، اگر ہماری روش میں بہتری نہ آئی تو جو انجام یہودیوں کا ہوا وہی ہمارا بھی ہوگا، بلکہ ہُوا چاہتا ہے۔ پاکستانی دُنیا میں جہاں بھی چلا جاتے، ذلّت کی نظر سے دیکھا جاتا ہے۔ عزّت واکرام خاک ہو چکا اس سے بڑی خدا کی مار اور کیا ہوگی۔ حدیث شریف میں ایک واقعہ آتا ہے جس کو امام بخاری اور امام مسلم رحمہما اللہ نے نقل فرمایا ہے۔

حضرت عبداللہ بن عمر رضؓ فرماتے ہیں کہ ایک بار یہودی حضرت آقائے نامدار صلّی اللہ علیہ خدمت میں حاضر ہوئے اور آپؐ سے کہنے کہ اُنکے ایک مرد اور عورت نے کیا ہے (تو کیا کیا جائے) آپ نے اُن سے فرمایا تم تورات میں رجم کے بارے میں کیا (حکم) پاتے ہو۔ کہنے لگے ہم اُن کو ذلیل و رسوا کرتے ہیں (یعنی منہ کالا کر کے تشہیر کرتے ہیں) اور کوڑے لگا دیتے ہیں۔ حضرت عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ نے (جو وہاں تشریف فرما تھے اَب مُسلمان ہو چکے تھے۔ یہودیوں کے بہت بڑے عالم اور تورات کے ماہر تھے) کہا تم جھوٹ بولتے ہو، تورات میں رجم کا حکم ہے۔ یہودی تورات لائے، اس کو کھولا، یہودیوں میں سے ایک نے آیت رجم پر ہاتھ رکھ دیا اور آیت رجم کا پہلا اور بعد کا حصّہ پڑھ دیا۔ حضرت عبداللہ بن سلامؓ نے یہودی سے فرمایا کہ اپنا ہاتھ اُٹھا تو اُس نے ہاتھ اُٹھایا تو اس میں آیتِ رجم موجود تھی تو یہودی (کھسیانے ہو کر) بولے کہ اے محمدؐ یہ ٹھیک کہتے ہیں اس میں آیتِ رجم موجود ہے۔ نبی علیہ السلام نے ان دونوں کے بارے میں حکم فرمایا تو اُن کو رجم کر دیا گیا۔ بحوالہ مشکوٰۃ ص ۳۰۹ ج ۲۔ ہمارے ہاں بھی اگر احتساب کا عمل دو غلا رہا تو ایک دو الیکشن کیا ہزار بار کے الیکشن کے نتیجہ میں بھی کچھ خیر کی اُمّید دکھائی نہیں دیتی جب تک نظام کی مکمل تبدیلی کی شکل میں انقلاب نہیں آجاتا اور مغرب کا موجودہ گندہ جمہوری نظام ہمیشہ کیلئے دفن نہیں کر دیا جاتا۔ اسوقت تک خیر کی کوئی توقع نہیں کی جاسکتی۔ اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے دیے ہوئے عادلانہ نظام کے سوا ہمارے لیے نجات کی کوئی دوسری راہ نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں عمل کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔

مولای صلِّ وسلِّم دائماً ابداً
علیٰ حبیبک خیرِ الخلقِ کلّہم

# درسِ حدیث

استاذ العلماء شیخ الحدیث حضرت مولانا سید حامد میاں رحمہ اللہ کے زیرِ اہتمام ہر اتوار کو نمازِ مغرب کے بعد جامعہ مدنیہ میں "مجلسِ ذکر" منعقد ہوتی تھی۔ ذکر سے فارغ ہو کر حضرت رحمہ اللہ حدیث شریف کا درس بھی دیا کرتے تھے۔ ذکر و بیان کی یہ مبارک اور رُوح پرور محفل کس قدر جاذب و پُرکشش ہوتی تھی الفاظ اس کی تعبیر سے قاصر ہیں۔

محترم الحاج محمود احمد عارف رح کی خواہش و فرمائش پر عزیز بھائی شاہد صاحب سلمہٗ نے حضرت شیخ الحدیث قدس سرہٗ کے بہت سے دروس ٹیپ ریکارڈر کے ذریعہ محفوظ کر لیے تھے اور پھر دروس والی تمام کیسٹیں اُنہوں نے مولانا سید محمود میاں صاحب کو عطا کر دیں۔

ہماری دُعا ہے کہ جن کی مہربانی، توجہ اور سعی سے یہ انمول علمی جواہر ریزے ہمارے ہاتھ لگے، حق تعالیٰ اُن سب کو بیش از بیش اَجر سے نوازے۔ ہم ان شاء اللہ تعالیٰ یہ قیمتی لؤلؤ لالہ "انوارِ مدینہ" کے ذریعہ حضرت رحمہ اللہ کے مریدین و احباب تک قسط وار پہنچاتے رہیں گے۔

واضح رہے کہ حضرت کے خلفِ اکبر اور جانشین حضرت مولانا سید رشید میاں صاحب کے زیرِ اہتمام ذکر و درس کا یہ سلسلہ بفضلہ تعالیٰ اَب بھی جاری ہے۔

ہنوز آں ابرِ رحمت در فشاں است
خم و خمخانہ با مہر و نشان است

کیسٹ نمبر ۱۳، سائیڈ بی ۲۰ راگست ۱۹۸۲ء

الحمد للّٰہ رب العٰلمین والصّلٰوۃ والسّلام علیٰ خیر خلقہ سیّدنا و مولانا محمّد وّآلہ واصحابہ اجمعین

اما بعد! عَنْ عُمَرَ قَالَ اَمَرَنَا رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اَنْ نَتَصَدَّقَ وَ وَافَقَ ذَالِکَ عِنْدِیْ مَالاً فَقُلْتُ اَلْیَوْمَ اَسْبِقُ اَبَابَکْرٍ اِنْ سَبَقْتُہٗ یَوْمًا قَالَ فَجِئْتُ بِنِصْفِ مَالِیْ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ مَا اَبْقَیْتَ لِاَھْلِکَ فَقُلْتُ مِثْلَہٗ، وَاَتٰی اَبُوْبَکْرٍ بِکُلِّ مَا عِنْدَہٗ فَقَالَ یَا اَبَابَکْرٍ مَا اَبْقَیْتَ لِاَھْلِکَ فَقَالَ اَبْقَیْتُ لَھُمُ اللّٰہَ وَرَسُوْلَہٗ، قُلْتُ لَا اَسْبِقُہٗ اِلٰی شَیْءٍ اَبَدًا "[1]

---

[1] مشکوٰۃ ص ۵۵۵

حضرت عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک موقع پر رسول اکرم صلّی اللہ علیہ وسلّم نے ہمیں صدقہ کرنے کا حکم دیا، اور آپ کا یہ حکم مال کے اعتبار سے میرے موافق پڑ گیا۔ (یعنی حسنِ اتّفاق سے اس وقت میرے پاس بہت مال و دھن تھا) مَیں نے اپنے دل میں کہا کہ اگر میں کسی دن ابوبکرؓ سے بازی لے جاسکتا ہوں تو وہ آج کا دن ہے (کہ اپنے مال کی زیادتی و فراوانی سے فائدہ اُٹھاکر زیادہ سے زیادہ راہِ خدا میں پیش کروں گا اور) اس معاملہ میں اُن کو پیچھے چھوڑ دوں گا۔ حضرت عمرؓ فرماتے ہیں: مَیں نے اپنا آدھا مال لاکر آپ کی خدمت میں پیش کر دیا۔ رسول کریم صلّی اللہ علیہ وسلّم نے (اتنا زیادہ مال و اسباب دیکھ کر) مجھ سے پُوچھا گھر والوں کے لیے کیا چھوڑ آئے ہو؟ مَیں نے عرض کیا جتنا لایا ہوں، اُتنا ہی گھر والوں کے لیے چھوڑ آیا ہوں، اس کے بعد ابوبکرؓ آئے اور اُن کے پاس جو کچھ تھا سب لاکر آپ کی خدمت میں پیش کر دیا۔ آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم نے اُن سے پُوچھا گھر والوں کے لیے کیا چھوڑ آئے ہو؟ ابوبکرؓ نے جواب دیا۔ ان کے لیے اللہ اور اللہ کے رسولؐ کو چھوڑ آیا ہوں، حضرت عمرؓ فرماتے ہیں مَیں نے اپنے دل میں کہا: ابوبکرؓ پر مَیں کبھی بھی سبقت نہیں لے جاسکتا۔

حدیث شریف میں آتا ہے حضرت عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں ایک دفعہ جناب رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم نے ہمیں حکم دیا کہ صدقہ دو، صدقہ لاؤ، فرماتے ہیں کہ ہر آدمی سے جو کچھ ہوسکا، وہ اس نے پہنچایا وَ وَافَقَ ذَالِکَ عِنْدِیْ مَالاً۔ اس زمانے میں میرے پاس پیسے تھے، مال تھا، ویسے بھی یہ مہاجر تھے تجارت کرتے تھے، اور کچھ مزدُوری بھی کرتے تھے۔

صحابہ کرام فرماتے ہیں جب ایسا حکم ہوتا تھا اور ہمارے پاس پیسے نہیں ہوتے تھے تو ہم جاکے مزدُوری کرتے تھے۔ بوجھ اُٹھاتے تھے۔ اس کی جو اُجرت ملتی تھی وہ لاکر پیش کرتے تھے۔ اب جب اتنی اتنی سی چیزیں لاکر وہ دیتے تھے تو جو منافقین تھے وہ یہ کہا کرتے تھے کہ اللہ تعالیٰ کو اس کے صدقے کی ضرورت کیا تھی؟ یہ جو اُس نے چَوَنِّی دی ہے یہ دس کا سکّہ دیا ہے۔ اس کی اللہ کو کیا ضرورت تھی۔ اب اس سے اس کی دل شکنی ہوتی تھی وہ (یعنی منافقین) چہ میگوئیاں کرتے تھے، وہ بات وہاں تک پہنچ جاتی تھی اس سے ایسے چھوٹے چھوٹے بیچاروں کی دل شکنی ہوتی تھی اور اگر زیادہ لے آیا کوئی تو وہ کہتے تھے کہ یہ تو دکھاوے کے لیے لایا ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ اس کو دیکھیں لوگ کہ ہاں یہ ہے اور اس نے اتنا دیا ہے غرض کہ منافقین جو تھے اُن کی زبان سے نہ یہ بچتا تھا نہ وہ بچتا تھا، اور دونوں (تھوڑا دینے والے ہوں یا زیادہ دینے والے دونوں) اچھے اور

دونوں کا مال مُبارک۔

تھوڑا ہو اور دینے والا مخلص ہو تو اس کا یہ روپیہ جو بہت اخلاص کے ساتھ دیا جاتا ہے یہ برکت کا کام دیتا ہے جیسے کوئی تعویذ رکھ لے اس کی آمد سے اور آمد کھل جاتی ہے۔

اور ضعیفوں کا تو یہ بھی آیا ہے۔ حدیث شریف میں کہ ضعیفوں کی وجہ سے تمہیں رزق ملتا ہے۔ ضعیف کو آدمی بار سمجھتا ہے۔ یہ میرے اُوپر بوجھ ہے، هَلْ تُرْزَقُوْنَ اِلَّا بِضُعَفَائِكُمْ۔

رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم نے ارشاد فرمایا (تمہیں تمہارے کمزوروں کے سبب رزق ملتا ہے۔)

حضرت سعد رضی اللہ عنہ جناب رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم کے ماموں لگتے ہیں اور بہت محبوب تھے اور عشرہ بشرہ میں سے ہیں ایک دفعہ آپ نے فرمایا کہ یہ میرے ماموں ہیں اور کسی کا ماموں ایسا ہو تو وہ دکھائے مجھے بڑے بہادر تھے نہایت تیرانداز تھے یہی ہیں سعد بن ابی وقاص جو فاتح ہیں ایران کے رضی اللہ عنہ اُنکا ایک بھائی تھا وہ کچھ نہیں کرتا تھا کم ہمّت ہوگا یا بیمار ہوگا یا کیا بات تھی کام نہیں ہوتا تھا اس سے، کمائی نہیں کر سکتا تھا تو حضرت سعد رضی اللہ عنہ کے ذہن میں کچھ خیال گزرا کہ یہ کچھ نہیں کرتا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم نے اُن سے فرمایا کہ تمہیں جو رزق ملتا ہے یہ ضعفاء کی وجہ سے ہے، وہ جو معذور ہے یا وہ کہ نہیں سکتا یہ نہ سمجھو کہ وہ تمہارے اُوپر بوجھ ہے بلکہ تمہیں اس کے حصّہ کا مل رہا ہے تم اُسے اُس کے حصّے کا پہنچا رہے ہو۔

تو اُن لوگوں کا ذہن جو اسلام سے متأثّر ہُوا ہی نہیں تھا بلکہ اسلام کے خلاف تھا زبانی زبانی مُسلمان تھے۔ منافق جنہیں کہا جاتا ہے اُن کا کام یہ تھا کہ وہ تو طعنہ دیتے رہتے تھے کسی وقت کسی طرح کسی طرح زبان چلادی تو حدیث شریف میں یہاں آتا ہے یہ واقعہ کہ ایک دفعہ پھر ایسی ہی اپیل کی جناب رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم نے کہ مجھے ضرورت ہے اور سب صحابہ کرام ضرورت مند ہوتے تھے، ایک صحابی نے نماز پڑھی، ایک چادر باندھی، دوسری چادر اُوڑھی، دو چادروں میں گزارا کرتے تھے یہ نہیں تھا کہ کرتا ہوگا باقاعدہ یہ چیز ہوگی، اتنا نہیں۔ ایک چادر باندھی اور اسی میں نماز پڑھی۔ حضرت جابر رضی اللہ عنہ کے ایک شاگرد تھے (وہ فرماتے ہیں کہ) میں نے اُن سے عرض کیا کہ یہ آپ نے کیوں ایسے کیا؟ کیونکہ اُن کے زمانے میں یہ حال نہیں رہا تھا۔ سب کے پاس کپڑے تھے اور اُن کی ایک چادر جو تھی وہ کھونٹی پر لٹکی رہتی تھی۔ اس کے باوجود اُنھوں نے بس ایک چادر باندھی اور نماز پڑھی کہا اوڑھی تو ہے ہی نہیں جناب نے۔ اُنھوں نے کہا میں نے اس لیے کیا ہے قصداً تاکہ تم جیسا بے عقل آدمی مجھے

لوگ سمجھے کہ زمین سیدھی ہے صاف ہے اور اُنھوں نے کھودی قبر کہ ہم آدمی دفن کردیں یہاں قبر بنا کر، لیکن اندر جسم سالم نکلا۔

شہداء احد ستر حضرات تھے۔ اُن کے جسم اللہ نے سالم رکھے۔ اب تک صحیح ہیں تو اِنھوں نے بھی اجازت نہیں دے رکھی احاطہ کردیا ہے اس کا، دفن کرنے کی اجازت کسی کو نہیں

حضرت عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میرے پاس ان دنوں پیسے تھے۔ مَیں بڑا خوش ہُوا، میرے دِل میں خیال آیا۔ میرے پاس تو ابوبکر رضی اللہ عنہ سے زیادہ پیسے ہیں۔ اُن کے دِل میں یہ تھا کہ میں حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ سے کسی طرح آگے بڑھ جاؤں اور قرآنِ پاک میں بھی ہے۔ فَاسْتَبِقُوا الْخَيْرَاتِ

نیکی میں ایک دوسرے سے سبقت کرو ایک دوسرے سے زیادہ کرنے کی کوشش کرو، اور اِن کا یہ حال تھا کہ یہ حضرات جناب رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم کی خوشنودی ہی چاہتے تھے۔ ذرا سی طبیعت پر گرانی محسوس کریں تو ان کا دن رات کا چین ختم ہوجاتا اور خوشی محسوس کریں تو بہت خوش ہوتے تو اُن کے دِل میں یہ آیا کہ رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم آج مجھ سے زیادہ خوش ہوجائیں گے بنسبت حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے، تو میں آج سبقت لے جاؤں گا۔

اور رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم کی خوشنودی اللہ تعالیٰ کی خوشنودی ہے تو اس واسطے یہ کوئی شرک نہیں تھا، بلکہ اُن کی خوشنودی چاہتے تھے۔ اِس واسطے کہ وہی اللہ کی خوشنودی ہے جس سے رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم خوش اللہ تعالیٰ زیادہ خوش۔ زیادہ مقرب ہو آپ کا وہ اللہ کا بھی زیادہ مقرب ہے تو اُنھوں نے سوچا۔ فَقُلْتُ الْيَوْمَ أَسْبِقُ أَبَا بَكْرٍ إِنْ سَبَقْتُهُ

آج میں حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ سے زیادہ آگے بڑھ جاؤں، اگر کبھی سبقت کا موقع آسکتا ہے تو آج وہ موقع ہے بالکل کھلی ہوئی بات ہے واضح، ان کے پاس اتنے پیسے ہی نہیں ہیں۔ میرے پاس پاس زیادہ ہیں تو کہتے ہیں کہ مَیں نے یہ کیا فَجِئْتُ بِنِصْفِ مَالِيْ مَیں نے آدھا گھر چھوڑ دیا اور آدھا مال گھر میں سے نکال کر لے آیا اور نصف مال جو تھا وہ بہت تھا۔ جناب رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم نے دریافت فرمایا مَا أَبْقَيْتَ لِأَهْلِكَ؟

اپنے گھر والوں کے لیے کیا چھوڑ کر آئے ہیں آپ؟ فَقُلْتُ مِثْلَهُ

مَیں نے عرض کیا اتنا ہی گھر میں ہے آدھا لے آیا ہوں آدھا وہاں ہے تو رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم

دیکھے، پھر وہ مجھ سے پوچھے پھر میں اُسے بتاؤں اَیُّمَا کَانَ لَہٗ ثَوْبَانِ عَلٰی عَھْدِ رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ۔

رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم کے زمانے میں کسے دو کپڑے میسّر آتے تھے کم لوگ تھے ایسے جنہیں دو کپڑے میسّر آئیں۔ ایک چادر ہوتی تھی اس کو اس طرح باندھتے تھے کہ یہاں گرہ دے لیتے تھے پیچھے تاکہ آگے سے پردہ بھی رہے اور ادھر سے بھی اس پر گزرا کرتے تھے۔ سردی ہوتی تھی تو ٹھٹھرتے تھے ہر قسم کی تکلیف اور پریشانی برداشت کرتے تھے اور اسلام پر ثابت قدم رہتے تھے۔

حضرت مصعب بن عمیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔ رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم کے قرابت دار تھے۔ مکّہ مکرمہ میں متمول گھرانہ تھا اُن کا اور اُن کا لباس ریشمی تھا۔ بستر ریشمی تھا تو اس حالت میں اُن کا بچپن جوانی گزرے۔ جوانی میں اسلام میں داخل ہوگئے۔ جب اسلام میں آگئے تو سب کچھ چھن گیا گھر سے باہر نکلنا پڑا۔ مدینہ شریف آگئے ایک دن جناب رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم کے سامنے سے یہ گزرے یا آکر بیٹھے تو دیکھا اُن کا جو کپڑا ہے، اس پر پیوند لگا ہوا ہے۔ پیوند کپڑے کا نہیں ہے کہ اسی جیسے کپڑے کا لگالیا ہو بلکہ چمڑا کا ہے چمڑا تو ویسے بھی گرا پڑا رہتا ہے۔ کہیں سے بھی اُٹھالیا جائے۔ دھولیا جائے لگالیا جائے۔ جناب رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم کو اُن کی حالت دیکھ کر طبیعت مُبارکہ پر اثر ہوا اور جو نرمی تھی شفقت تھی۔ رحمت تھی اس کا اثر اتنا ہوا کہ آنکھ سے آنسو جاری ہوگئے۔ اُنھوں نے دریافت کیا کہ کیا بات ہے؟ تو آپ نے فرمایا کہ مجھے تمہارا وہ زمانہ اور یہ زمانہ خیال میں آیا اس سے میری طبیعت پر یہ اثر ہوا اُنھوں نے بہترین جواب دیا اُنھوں نے کہا میں تو اُس حالت پر خوش نہیں تھا۔ مَیں تو اِس حالت پر خوش ہوں۔

پھر وہ شہید ہوگئے احد کے میدان میں اور جب وہ شہید ہوئے ہیں تو اُن کے کفن کے لیے کپڑا نہیں تھا کہ پُورا بدن ڈھک جائے سر ڈھکتے تھے تو پاؤں کُھل جاتے تھے۔ پاؤں ڈھکتے تھے تو سر کھل جاتا تھا جناب رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم نے ارشاد فرمایا کہ ان کا سر ڈھانپ دو اور پاؤں پر گھاس ڈال دو اس طریقے پر دفن کرو۔ اب ان کا مزار مُبارک وہاں موجود ہے جہاں شہداء احد کے مزار ہیں۔ البتّہ کسی کا الگ نشان نہیں ہے۔ وہ سب ایک حصّہ بنا ہوا ہے کیونکہ اُنھوں نے تو سب جو مقابر تھے۔ گنبد تھے۔ وہ سب ڈھادیے، اب صرف ایک سیدھی جگہ ہے، لیکن اِن حضرات کی قبریں موجود ہیں حضرت حمزہ رضی کی اور اُن کے برابر حضرت مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ کی یہ اسی طرح ہیں اور وہاں دفن کرنا منع ہے کیونکہ ایسے ہوا ہے کہ

نے ان سے نصف مال قبول فرما لیا یہ بھی ان کی خصوصیت تھی۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی۔ ورنہ آقائے نامدار صلی اللہ علیہ وسلّم نے کسی صحابی سے ایک تہائی مال سے زیادہ قبول نہیں فرمایا۔ بس ایک تہائی مال، زیادہ سے زیادہ کوئی دیتا ہے تو اتنا دے دے باقی رکھے گھر۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی یہ خصوصیت ہے کہ آپ نے ان سے یہ نہیں فرمایا کہ یہ تم زیادہ لے آئے ہو۔ ایک تہائی کافی تھا، نصف لائے تھے۔ نصف رکھ لیا۔ پھر میرے بعد حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ آئے اور وہ لائے اور ظاہر ہے کہ اُن کا مال ان سے کم تھا۔ اِن کا زیادہ تھا۔

تو یہ خوش ہوئے ہوں گے، لیکن سوال کیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم نے ان سے بھی اسی طرح یَا اَبَا بَکْرٍ مَا اَبْقَیْتَ لِاَھْلِكَ

گھر والوں کے لیے کیا چھوڑ کر آتے ہو؟ فَقَالَ اَبْقَیْتُ لَھُمُ اللّٰہَ وَرَسُوْلَہٗ

اللہ اور رسول ہیں گھر میں، گھر کے لیے کوئی چیز چھوڑ کر نہیں آیا، اب دونوں میں بہت زیادہ فرق ہوگیا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم کا جو خصوصی معاملہ تھا۔ وہ بھی اِن کے ساتھ سب سے زیادہ خاص ہوگیا کہ سارا مال گھر سے جو لے آئے وہ قبول فرما لیا آپ نے، اس کی مثال نہیں ملتی سوائے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے یہی ایک مثال ہے اس کی کہ ان کا مال آپ نے سارے کا سارا قبول فرمالیا۔

انسان اصل میں جوش میں دے بیٹھتا ہے۔ بعد میں پچھتاتا ہے کہ میں نے یہ کیا کیا؟ دوسرے کہتے ہیں، گھر والے کہتے ہیں لیکن معلوم ہوتا ہے سب پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم کو اتنا اعتماد تھا کہ ان میں سے کوئی بھی ایسا نہیں ہے کہ بعد میں پچھتائے۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ ان کی بیوی ان کے بچے سب کے سب ایسے تھے۔ قابلِ اطمینان کہ یہ دینے کے بعد خدا کی راہ میں صرف کرنے کے بعد بالکل نہیں پچھتائیں گے۔ اس لیے آقائے نامدار صلی اللہ علیہ وسلّم نے اُن کا سارا مال لے لیا، اب حضرت عمر رضی اللہ عنہ فرماتے کہ میرے ذہن میں جو بات آتی ہوئی تھی وہ نکل گئی اور مَیں نے سمجھ لیا۔

قُلْتُ لَا اَسْبِقُہٗ اِلٰی شَیْءٍ اَبَدًا

کسی بھی چیز میں، مَیں اُن سے آگے نہیں بڑھ سکتا۔ خُدا کا ارادہ ہے کہ یہ میرے سے آگے بڑھے رہیں تو پھر کون ان سے آگے بڑھ سکتا ہے، چنانچہ اُس کے بعد سے ذہن سے یہ بات ہی نکال دی مَیں نے کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ سے آگے بڑھ جاؤں کسی نیکی میں، کیونکہ جب ارادہ کیا

وہ آگے نکل گئے؟

بہت سے واقعات لکھے ہیں ملّا علی قاری رحمہ اللہ علیہ نے مرقات میں جو اسی مشکوٰۃ کی شرح ہے اُن میں سے ایک یہ واقعہ لکھا ہے کہ ایک دفعہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ایک گھر چھانٹا جہاں ایک نابینا عورت تھی، اور اس کا کام کرنے والا کوئی نہیں تھا۔ وہ صفائی کرنے کے لیے جاتے تھے۔ صُبح ہی صبح پانی بھر دیا، کبھی کچھ کر دیا۔

کہتے ہیں کہ ایک دفعہ میں گیا تو معلوم ہُوا مجھ سے پہلے کوئی آگیا وہ کر گیا۔ پھر اُس کے بعد گیا ہوں اور دن، تو اُس دِن اِس سے بھی پہلے وہ آگیا، پھر گیا ہوں تو پھر اُس سے بھی پہلے آگیا، کہتے ہیں کہ پھر میں نے تلاش کیا کہ یہ کون آدمی ہے۔ باقاعدہ مَیں نے تلاش کیا، صرف اس لیے کہ آج مجھے یہ دیکھنا ہے کہ یہ کون ہے؟

دیکھا تو وہ ابوبکر رضی اللہ عنہ تھے جیسے انھوں نے اُس گھر کو تلاش کیا خدمت کے لیے ایسے ہی حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے اور جیسے اِنھوں نے سوچا کہ میں صُبح صُبح آکر کام کر جاؤں۔ ویسے اُنھوں نے بھی سوچا، مگر اُن کا سوچا ہُوا پُورا ہو گیا یہ اُن سے لیٹ ہو گئے اس طرح کے واقعات جو گزرے ہیں تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ تاحیات اپنے دَورِ خلافت میں یہ کہتے تھے کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ سے کوئی آگے بڑھا ہُوا نہیں اور یہ خُدا کی طرف سے تھا اور جب خُدا کی طرف سے ہُو تو پھر وہ آگے ہی رہے گا ظاہر بات ہے کوئی دوسرا اس کو نہیں پہنچ سکتا۔

اللہ تعالیٰ ہم سب کو اتّباعِ سُنّت کی توفیق دے۔ اسلام پر عمل کرنے کی توفیق دے اور ان حضرات کا ساتھ آخرت میں نصیب فرمائے۔

"انوارِ مدینہ" میں
اشتہار
دے کر اپنی تجارت کو فروغ دیجئے

(قسط : ۴)

# رحمۃ للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم

# اور

# سیاسی انقلابات

ذیل میں حضرت مولانا محمد میاں صاحب رحمہ اللہ کی ایک نادر تحریر پیش کی جا رہی ہے جو آپ نے رحمۃ للعالمین اور سیاسی انقلابات کے عنوان سے لکھی تھی۔ آپ کی یہ تحریر عرصہ سے نایاب تھی حال ہی میں ادارہ کو ایک قدیم لائبریری سے دستیاب ہوئی تھی۔ (ادارہ)

## چوتھا باب

### موجودہ دُنیا کی تباہ حالی اور اُس کے اسباب

دُنیائے قدیم کی خوبیوں داستان تم نے سُنی، مگر دُنیائے حاضر سے کیا آپ مطمئن ہیں؟

بدقسمتی یہ ہے کہ سو سالہ غلامی نے ہمارا احساس معطل کر دیا۔ ہماری حالت اس پر یرقان زدہ مریض کی ہے جو اپنے مرض کا احساس نہیں رکھتا اور تمام دُنیا کو زرد دیکھنے لگتا ہے۔

آج اسپین میں کیا ہو رہا ہے۔ فلسطین کس طرح آگ و خون کا جہنم بنا ہوا ہے۔ چین پر کس طرح قہر و غضب کی بجلیاں گرائی جا رہی ہیں۔ آزاد سرحد کی زندگی کس طرح تنگ کی جا رہی ہے۔ وحشی جانوروں کی طرح پاکباز مجاہدین کو کس طرح بموں اور گولوں کا نشانہ بنایا جا رہا ہے۔ اٹلی نے حبش میں کیا کیا۔ فرانس نے مراکش کو کس طرح تباہ کیا۔ شام و لبنان میں کیا محشر بپا ہے۔

برطانیہ اور فرانس نے مُسلمانوں کو کس طرح برباد کیا۔ عربوں اور ترکوں کی آویزش کیوں ہوئی۔ رُوس میں کیا ہُوا اور کیا ہو رہا ہے۔

ہندوستان کو کس طرح تباہ کیا گیا۔ یہاں کی سلطنت کس طرح ناپید کی گئی۔ مُسلمانوں کا کلچر کس طرح برباد کیا

گیا۔آج اسلام اور اسلامی کلچر کے بلند بانگ محافظ کیوں اسلامی کلچر سے ناآشنا ہیں۔ کیوں یورپین معاشرت کے دلدادہ اور اسلامی وضع قطع سے متنفر ہیں۔آج ہندو مسلم نفرت انگیزی کا مقدس فرض کیوں انجام دیا جارہا ہے۔ کیوں جگہ جگہ بلوے کیے جارہے ہیں۔

ہندوستان جو سونے کی چڑیا تھا۔آج فاقہ، بیماری، تباہ حالی کا کیوں مرکز بن گیا۔اس کی دولت کہاں گئی، کیوں گئی۔ وہ بنگال جس کے مسلمان کے لیے "بقول میکالے" غریب ہونا ناممکن تھا۔آج کیوں فاقہ زدہ ہے۔ وہ ہندوستان جس کے بازاروں میں "بقول مؤرخ مقریزی" غلّہ کی طرح ہیرے جواہرات کے ڈھیر لگے رہا کرتے تھے۔ آج کیوں اتنا مفلس ہوگیا کہ اس کی تین چوتھائی آبادی کو ایک وقت کھانا ملنا بھی مشکل ہے۔

اس قسم کے سینکڑوں سوالات ہیں۔اُن کے نہایت مستند جوابات ہیں۔ میں سب ہی سُنا دیتا اپنے دِل کے پھپھولے خُوب خُوب توڑتا۔جگر کے ہر ایک زخم پر پُوری طرح نشتر لگاتا۔اگر اس مضمون کا دامن کچھ بھی وسیع ہوتا۔

صرف اتنا سُن لو کہ پہلی صدی ہجری کے آخر میں مسلمان تہذیب و تمدّن کی امانت لے کر اندلس پہنچے۔ صداقت اُن کے ساتھ تھی۔ طارق نے مُٹھی بھر نوجوانوں کے بل بوتے پر ایک حکومت قائم کر لی۔ تین صدی تک اُس کی ترقی رہی اُندلس رشکِ جنّت بن گیا۔چہرہ زمین کی طرح روشن آنکھ ہوگیا۔

راتوں کی تاریکیوں میں تارے آنے اور آسمان کے جھروکوں سے اس کی زیارت کرتے۔ للچائی نگاہوں سے اس کو گھنٹوں دیکھتے رہتے۔

آس پاس کی قوموں نے اس کی ترقی کو قدر کی نگاہ سے دیکھا۔ اُن کے نوجوان پہنچے کہ ترقی کے راستے معلوم کرلیں۔ علم و حکمت کے جواہر سے دامن بھر بھر کر اپنے اپنے وطن میں واپس ہوئے۔

وہ شیطان صفت انسان جو اُن کے مُلکوں پر مسلّط تھے۔جب اُنھوں نے نوجوانوں کو ترقی کے نغمے گاتے ہُوئے سُنا۔اپنے اقتدار کے متعلق خطرہ محسوس کرنے لگے۔ اُنھوں نے ان نوجوانوں کو لامذہب بے دین، قابلِ گردن زدنی قرار دے کر سینکڑوں کو تلوار کے گھاٹ اُتار دیا۔

مگر ترقی کا جذبہ دِلوں میں پیدا ہوچکا تھا۔ انقلاب کی رُوح پھُونکی جاچکی تھی۔ یہ ظلم و تشدد گویا تیل تھا جو جلتے ہُوئے انبار پر ڈالا جارہا تھا۔ بہرحال نوجوانوں نے ترقی کے راستے دریافت کرلیے

اور وہ مرتے مارتے انقلاب کی تحریک میں کامیاب ہوگئے۔

تاریخ نے دوسرا ورق پلٹا۔ وہی مسلمان جو تہذیب و تمدّن کے حامل بن کر اندلس پہنچے تھے۔ عیش و عشرت کے دلدادہ بن گئے۔ نظامِ حکومت میں سستی پیدا ہونے لگی۔ عدل و انصاف کا پرچم سرنگوں ہونے لگا۔ انسانیت کے بُنیادی مطالبات نظر انداز ہونے لگے۔ وہ فلسفہ اور حکمت جس کا درس قرطبہ جیسی یونیورسٹی میں دیا جاتا تھا۔ اُن کی عیش و آرام طلبی پر قربان ہوگیا۔

انقلابی نوجوان اُٹھے۔ امن و سلامتی کا نعرہ لگاتے ہوئے آگے بڑھے اور پُورے اُندلس کا تختہ یک لخت اُلٹ دیا۔ محکوم حاکم بن گیا۔ مُسلمان کا نام و نشان اُندلس سے مٹایا گیا اور مخصوص قومیت کا اس کو گہوارہ بنالیا گیا۔ یہ عروجِ یورپ کی صبح تھی۔

یورپ نے اور سبق تو تمام بھلا دیا۔ البتّہ فلسفہ اور سائنس کا سبق خُوب خوب یاد رکھا۔ اُس پر کافی تجربہ کیا۔ نئی نئی ایجادات کیں۔

لیکن اُن ایجادوں سے روپیہ کمانا اُن کو مشکل تھا۔ کیونکہ اُن کے ملک کی زمین تنگ تھی۔ اُنھوں نے دوسرے ممالک کی طرف رُخ کیا، لیکن ترکوں نے اُن کا راستہ بند کر دیا۔ تو اُنھوں نے سمندروں میں جدوجہد کے گھوڑے دوڑائے۔ اُنھوں نے نئی دُنیا معلوم کر لی۔ جس کا نام "امریکہ" ہے۔ اس کے بعد وہ بڑھے اور ہندوستان پہنچ گئے۔ (یہ تمام تفصیلات تو آپ "آنے والے انقلاب کی تصویر" میں ملاحظہ فرمائیں

یہاں تو مختصرًا یہ عرض کرنا ہے کہ) مُسلمانوں کی ترقّی کا فلسفہ بھی معلوم کر لیا تھا۔ وہ "اُمن اور سلامتیِ عالَم تھا۔" مگر ان درندوں کو اس فلسفہ پر عمل کی توفیق تو نہ ہُوئی۔ کیونکہ اُس کے لیے عیش پرستانہ طبع کو قربان کرنا ضروری تھا۔ ہاں دوسری قوموں کو دھوکا دینے کے لیے نئے نئے ترانوں سے اُس کو گانا شروع کر دیا۔

عہدِ عالمگیری کے بعد ہندوستان کی حکومت نقطہ اعتدال سے ہٹ گئی تھی۔ مغلیہ سلطنت کے حصّے بخرے ہوکر خانہ جنگی شروع ہوگئی تھی۔ عام ہندوستانیوں نے امن و سلامتی کے ترانوں کو بڑی گرمجوشی سے سُنا۔ کیونکہ اس وقت سے گیارہ سو برس پیشتر بھی۔ جب بودھ اور برہمنوں کی خانہ جنگیوں

سے وہ تنگ آچکے تھے ۔ امن و سلامتی کی آواز جو مُسلمانوں کی زبان سے اُن کے کانوں میں پڑی تھی۔ وہ نہایت مبارک ثابت ہُوئی تھی۔ ہندوستانیوں نے خیال کیا تھا کہ تاریخ نے ایک نیا دروازہ کھولا ہے اور اب امن و سلامتی اس قوم کے ذریعہ دریائی راستوں سے ہندوستان میں آنا چاہتی ہے۔

مگر افسوس ۔"خواب تھا جو کچھ کہ دیکھا جو سُنا افسانہ تھا"

بہرحال انگریزوں نے ہندوستان لے لیا، لیکن اُن کے ساتھ سائنسِ جدید کی ایک ایسی مصیبت تھی جس کے ہوتے ہُوئے امن و سلامتی عالم اس وقت تک ممکن نہیں۔ جب تک اسی کے تقاضے کے بموجب نظام حکومت نہ ہو۔

صُورت یہ ہُوئی کہ سائنسِ جدید کے ذریعہ سے طرح طرح کی مشینیں ایجاد ہُوئیں۔ جو انسان کے مقابلہ میں بہت تیز تھیں۔

اب شکل یہ ہُوئی کہ جو کام ایک ہزار انسان ایک دن میں کرتے تھے وہ صرف ایک مشین نے صبح سے شام تک کر دیا۔ ایک ہزار انسان جو اس کام کو کرتے تو ایک ہزار گھروں کی روزی چلتی۔ تین چار ہزار عورتوں اور بچوں کا پیٹ پلتا ، لیکن اس مشین کے ذریعہ سے صرف دس پندرہ کاریگروں کو معمولی تنخواہ ملی۔ باقی سارے انسان بھُوکے مرنے لگے۔ اور اُن کی روزی کا حصّہ نفع کی شکل میں مالکانِ مل کے قبضہ میں پہنچا۔ اور ستم پر ستم یہ کہ وہ مل بھی قائم کیے گئے لنکا شائر اور مانچسٹر میں اور اُن کا مال بیچا گیا ہندوستان میں۔

یعنی جو مزدور وہ بھی یورپ میں اور جو نفع کمانے والے وہ بھی یورپ میں۔ ہندوستانیوں کو اتنا فائدہ بھی نہیں ہُوا کہ پندرہ آدمی بھی ملازم ہو جاتے۔

نتیجہ یہ ہُوا کہ ہندوستان کی دولت کا سیلاب یورپ کی طرف بہنے لگا۔ وہ سرسبز و شاداب ہو گیا اور ہندوستان قحط زدہ قلاش۔

مگر خیر وہ مل۔ رفتہ رفتہ ہندوستان بھی آنے لگے ، مگر کیا وہ عام ہندوستانیوں کے لیے باعثِ برکت تھے؟

اس کا اندازہ اس سے کر لیجیے کہ ہمارے ضلع میں پانچ سو آدمی رات کے وقت لالٹین جلانے پر ملازم تھے۔ ایک کمپنی نے بجلی لگا دی۔ دس پندرہ آدمی بجلی کے کارخانے میں ملازم ہُوئے پانچ سو بیکار ہو گئے اور پانچ سو کے بال بچّے جو تقریباً دو ہزار تھے فاقہ مرنے لگے۔

اسی طرح تم ان تمام ترقی یافتہ صنعتوں کو قیاس کرلو۔

پھر یہ صورت ہندوستان ہی میں پیش نہیں آئی۔ یہی شکل تمام دنیا میں پیش آئی۔

سائنسِ جدید کی دوسری برکت یہ تھی کہ خرچہ جنگ بہت بڑھ گیا۔ پہلے تلوار بندوق کافی ہوجایا کرتی تھی۔ اور جنگ کے اندر مالی اور جانی نقصانات کا اندازہ اس سے ہوسکتا ہے کہ نادر شاہ (جس کا تذکرہ ہندوستان کے بچہ بچہ کی زبان پر آج تک ہے) جب ہندوستان پر حملہ آور ہُوا تو صرف بیس ہزار آدمی مرے تھے۔

اور جب اُس نے دہلی میں قتلِ عام کر کے خزانہ لوٹا تو پندرہ کروڑ کا نقصان ہندوستان کا ہُوا تھا۔

لیکن جنگِ جرمنی کے زمانہ میں میدانِ جنگ کا یومیہ خرچہ تقریباً دو کروڑ پونڈ۔ یعنی تقریباً تیس کروڑ روپیہ تھا۔

اب اتنا روپیہ کہاں سے آئے۔ یورپ نے تو ملوں اور سینکڑوں قسم کی بے ایمانیوں سے دولت کے انبار لگا رکھے تھے۔ غریب ایشیا کیا کرسکتا تھا۔ اور کیا کرسکتا ہے۔

نتیجہ جو ہُوا ظاہر ہے۔ ترک اور عرب۔ اُس جنگ کے زخموں سے آج تک کراہ رہے ہیں۔ اس تمام لوٹ کھسوٹ کا ایک عجیب پہلو یہ تھا کہ ایک ہندوستانی کی قیمت ایک انگریز کے مقابلہ میں سوگنا کم قرار دی گئی۔ یعنی اُردو مڈل پاس کی تنخواہ (اگر وہ خوش قسمتی سے ہزاروں ٹھوکریں کھا کر ملازمت حاصل کرلے) تو صرف ۱۵ روپیہ اور صرف اسی قابلیت کے انگریز کی تنخواہ جو کلکٹر یا سپرنٹنڈنٹ بنا کر بھیجا جائے۔ اوسطاً پندرہ سو روپیہ

فرق صرف یہ کہ وہ ہندوستانی یہ یورپین۔ اوس کی زبان اُردو اس کی انگریزی

باقی رہے غریب مولوی یا پنڈت۔ ان کی قیمت حکومت کی نظر میں ایک پیسہ کے برابر بھی نہیں۔ وہ اپنے زمانہ کے ارسطو ہوں یا جالینوس، لیکن اگر اُردو مڈل یا کوئی انگریزی کی ڈگری حاصل نہیں کی تو وہ صرف چپراسی یا کانسٹیبل بنائے جاسکتے ہیں۔ کسی عہدے یا منصب کے ہرگز مستحق نہیں۔ یہ تھی اسلامی کلچر یا مذہبی کلچر کی قدر۔

بہرحال اس قسم کی تباہ حالیوں نے آج دُنیا کو نئے انقلاب کے راستہ پر ڈال دیا۔ بھوکوں

اور پیٹ بھروں کی جنگ شروع ہوگئی اور اب یہ سوال پیدا کیا گیا کہ جب سائنسِ جدید کی ترقیات کا دُنیا سے ناپید کرنا ناممکن ہے تو لامحالہ حکومت کا طریقہ بدل دینا چاہیے۔

ایسا ہرگز نہ ہو کہ جو چاہے مل قائم کر لے۔ بلکہ مل اور اس قسم کے بڑے بڑے کاروبار حکومت قائم کرے۔ وہ حکومت کی ملکیت ہوں اور عام ملک والوں کی پرورش حکومت کا فریضہ ہو۔

یہ ہے اصل روح بالشوزم۔ کمیونزم اور سوشلزم وغیرہ کی۔

اس میں عجیب عجیب بولیاں بولی جاتی ہیں۔ مثلاً افراد کی ملکیت اُٹھادی جائے۔ پردہ نہ رہے، مذہب نہ رہے وغیرہ وغیرہ مگر یہ سب چیزیں ضرورت سے زائد اور زائد سے زائد تباہی کو دعوت دینے والی ہیں۔ صرف اتنا ہی کافی ہو سکتا ہے کہ افراد کی ملکیت کو محدود کر دیا جائے۔ مثلاً دس ہزار سے زیادہ کا کاروبار عوام نہ کر سکیں۔ اس سے بڑا کاروبار حکومت کے لیے مخصوص ہو اور تمام بیکاروں کو کام پر لگانا، ورنہ اُن کو وظیفہ دینا حکومت کا فرض ہو۔ (تفصیلات کیلئے ملاحظہ ہو آنے والے انقلاب کی تصویر)

مختصر یہ کہ بیکاری، خود غرضی، زر پرستی، عیاشی کا طوفان آج بھی دُنیا کو اُسی گردابِ بلا میں ڈالے ہوئے ہے۔ آج بھی امن و امان کے مدعی سات سمندر پار کے، ہمدردیِ خلق کی خاطر ہندوستان جیسے غیر مہذب ملک میں پہنچ رہے ہیں۔ تاکہ غریب اور تباہ حال انسانوں کا خون چُوس چُوس کر بزمِ عیش پرستی کی ہر ایک رونق کو دوبالا کریں۔ جہاں شلجمی حسن کی ستم پرور پریاں برہنہ رقص کرتے ہوئے مئے گلگوں کے ساغر پیش کر رہی ہوں اور خدمت خلق کے سچے خادم۔ بدمستی کا ریکارڈ دُنیا کی تاریخ میں مات کر رہے ہوں۔

تمہیں خبر نہیں یورپ کے ظلمت کدہ میں عہد و میثاق اس لیے نہیں کیا جاتا کہ کسی کمزور کو فائدہ پہنچایا جائے۔ بلکہ اس کا مقصد صرف یہ ہوتا ہے کہ اپنی ضرورت پُوری کر کے اس کو ردی کی ٹوکری میں ڈال دیا جائے۔ تفرقہ ڈالو۔ خلق خدا کے خون کی ندیاں بہاؤ۔ تاکہ استعمار کی ہوسناکیاں پُوری ہوں اور کروڑوں کمزور اور درماندہ انسانوں کی گردنیں۔ ربِ کعبہ کے بجائے یورپین فرعونوں کے آستانوں پر جھکتی رہیں اور جو اصلاح کی آواز اُٹھائے۔ اس کی زبان بند کر دو۔ فتنہ و فساد کے بہانہ سے قید خانے میں ڈال دو۔ اور طبیعت چاہے تو جرم بغاوت میں تختہ دار پر لٹکا دو۔

فرعون اور قارون کا نام کسی تعارف کا محتاج نہیں۔ دنیا اُن پر لعنت بھیجتی ہے، مگر کیوں سُنو! قرآن کریم کی زبان میں فرعون کا جرم کیا تھا

اِنَّ فِرْعَوْنَ عَلَا فِی الْاَرْضِ (۱) فرعون چڑھ گیا ملک میں۔ استعمار پسند، مغرور اور متکبّر ہوگیا۔

وَجَعَلَ اَهْلَهَا شِيَعًا (۲) استعمار اور خود غرضانہ اقتدار کو باقی رکھنے کے لیے اہل ملک کے گروہ کر دیے یعنی "تفرقہ ڈالو حکومت کرو" کی پالیسی اختیار کی۔

یَسْتَضْعِفُ طَآئِفَةً مِّنْهُمْ (۳) اہل ملک کی ایک جماعت کو کمزور کرتا تھا۔ (مثلاً دوسری جماعت کو حکومت میں زیادہ اقتدار دیا۔ اس کے اقتصادی حقوق محفوظ کر دیے۔ ایک جماعت پر ٹیکس کی بھرمار کر دی۔ اسلحہ ضبط کر لیے۔ صنعت وحرفت تجارت اور ترقّی کے راستے بند کر دیے۔)

یُذَبِّحُ اَبْنَآءَهُمْ (۴) ان کے بیٹوں کو قتل کرنے لگا۔ کیونکہ اس کو پیش گوئیوں کے باعث یہ خطرہ ہوگیا تھا کہ اس کمزور پارٹی میں کوئی ایسا بچّہ پیدا ہوگا جو انقلاب پیدا کرے گا، مگر وہ بیوقوف تھا۔ ورنہ اسکول اور کالج کھول کر اُن کی ذہنیت بدل دیتا۔ اور غلاموں کی تعداد میں اضافہ کرتا رہتا۔

یَسْتَحْیِ نِسَآءَهُمْ (۵) عورتوں کو زندہ رکھتا تھا۔ (مقصود تو یہی تھا کہ عیش پرستی کا سامان پُورے ٹھاٹ سے بنا رہے، مگر تاہم انسانیت کے لیے ایک رحم تھا کہ کم از کم کھیتی کی زمین تو باقی رہے۔ اگرچہ پیداوار بیکاری ہو مگر [illegible] کو ایک ہی گھاٹ اتار رہی ہے۔)

اِنَّهٗ کَانَ مِنَ الْمُفْسِدِیْنَ (۶) بے شک وہ فساد پیدا کرنے والا تھا۔ (انسانیت کو مختلف پارٹیوں میں تقسیم کر کے اس کے احترام کو فنا کر رہا تھا۔ اور اپنی عیش پرستی استعمار و اقتدار کو محفوظ کر رہا تھا۔)

(سورۂ قصص ع ۱ ج ۲۰)

---

پھر سُنو۔ قارون کی حقیقت کیا تھی اور اُس کا جرم کیا تھا۔

اِنَّ قَارُوْنَ کَانَ مِنْ قَوْمِ مُوْسٰی فَبَغٰی عَلَیْھِمْ (۱) قارون موسیٰ علیہ السّلام کی قوم؎ سے تھا۔ اس نے اپنی قوم کے مقابلہ پر سرکشی کی (سرمایہ داری کی محبّت نے اس کو اندھا کر دیا)

وَآتَیْنَاہُ مِنَ الْکُنُوْزِ مَا اِنَّ مَفَاتِحَہٗ لَتَنُوْٓءُ بِالْعُصْبَۃِ اُولِی الْقُوَّۃِ (۲) ہم نے اس کو اتنے خزانے بخش دیے تھے کہ اُن کی کنجیوں ہی کو اُٹھاتے اُٹھاتے قوی آدمیوں کی ایک جماعت تھک جاتی تھی۔

اِذْ قَالَ لَہٗ قَوْمُہٗ لَا تَفْرَحْ اِنَّ اللّٰہَ لَا یُحِبُّ الْفَرِحِیْنَ (۳) اُس کی قوم نے کہا۔ اترامت (مغرور مت ہو) اللہ تعالیٰ متکبروں کو پسند نہیں کرتا۔

وَابْتَغِ فِیْمَآ اٰتَاکَ اللّٰہُ الدَّارَ الْاٰخِرَۃَ (۴) جو تجھ کو خُدا نے دیا ہے اُس کے سلسلہ میں دارِ آخرت (عاقبت) تلاش کر (محض نماز روزہ کافی نہیں غریبوں کی (خدا کے واسطے) امداد کر۔ یہی کافی نہیں کہ اُنہیں نوکر رکھ کر آدھی روٹی دے اور اُن کی کمزوری سے فائدہ اُٹھاتا رہے۔

وَلَا تَنْسَ نَصِیْبَکَ مِنَ الدُّنْیَا۔ (۵) تیرا جو حصّہ دُنیا میں ہے اس کو فراموش مت کر (بہت ممکن ہے مقصود یہی ہو کہ ساری دُنیا کا اوسط آمدنی نکال کر اپنا حصّہ قرار دے اور اُس کے لحاظ سے اپنی دولت سے فائدہ اُٹھا۔ اس صُورت پر تو یہ سرمایہ داری کی صریح موت ہے۔ اگرچہ اس فراخ نظری کا اعلیٰ معیار وہ ہے جو قرآن پاک کے سامنے ہے کہ صرف ایک قوم ایک ملک نہیں۔ بلکہ ساری دُنیا کو سامنے رکھا جائے۔)

وَاَحْسِنْ کَمَا اَحْسَنَ اللّٰہُ اِلَیْکَ اور جس طرح خدا نے تم پر احسان کیا۔ تم اہلِ دُنیا پر احسان کرو۔

وَلَا تَبْغِ الْفَسَادَ فِی الْاَرْضِ (۶) زمین میں فساد کی خواہش مت کرو۔ (کہ سود در سود لے کر ہزاروں گھروں کے چراغ گل کرو۔ اپنے گھر میں اُجالا رکھو۔ یا مزدوروں کو تنگ ترین زندگی پر مجبور کر کے صرف اپنا خزانہ پُر کرتے رہو۔

اِنَّ اللّٰہَ لَا یُحِبُّ الْمُفْسِدِیْنَ (۷) اللہ فساد کرنے والوں کو پسند نہیں کرتا (سرمایہ داری کا فساد خدا کی نظر میں ایسا ہی قبیح ہے جیسا حکومتی فساد، یا چوری ڈکیتی وغیرہ کا فساد)

(بقیہ: بر صا۲۹)

---

؎ مر گئے علّامہ اقبال۔ ورنہ خدا پر بھی اعتراض جڑ دیتے کہ موسیٰ علیہ السّلام اور قارون کی قوم ایک کیسے؟

(قسط:۲)

# شرافتِ انسانی اور ذکر اللہ

۱۹ جمادی الاولیٰ ۱۴۱۷ھ ۳ اکتوبر ۱۹۹۶ء بروز جمعرات شیخ الاسلام حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی قدس سرہ کے بڑے صاحبزادے حضرت اقدس مولانا سید اسعد مدنی دامت برکاتہم صدر جمعیۃ علماء ہند مجلسِ تحفظِ ختمِ نبوت کی دعوت پر پاکستان تشریف لائے حسبِ معمول جامعہ میں قیام فرمایا۔ ۲۵ جمادی الاولیٰ بروز بدھ بعد نماز عشاء جامعہ کی مسجد میں ایک جلسۂ عام میں آپ نے خطاب فرمایا۔ آپ کا وہ خطاب کیسٹ سے نقل کر کے نذرِ قارئین کیا جا رہا ہے ——— (ادارہ)

اللہ تعالیٰ قرآن میں کہتا ہے بندوں سے فَاذْكُرُونِيٓ اَذْكُرْكُمْ وَاشْكُرُوا لِي وَلَا تَكْفُرُونِ اے میرے بندو، تم میرا ذکر کرو مجھے یاد کرو تو میں تمہارا ذکر کروں گا۔ تمہیں یاد کروں گا، تم مجھے مت بھولو میں تمہیں نہیں بھولوں گا، ہم اللہ کو یاد نہ کریں تو کہاں جائیں؟ کون ہے ہمارا دوسرا؟ ہم تو محتاج ہیں اِس دُنیا میں بھی آخرت میں بھی ہر وقت ہر چیز ہر کام میں اور ہمارا قاضی الحاجات تو اللہ ہی ہے اس لیے اگر اس کو یاد نہ کریں تو کیسے کام چلے؟ لیکن اللہ سارے عالموں سے بے نیاز کسی چیز میں کسی کا محتاج نہیں۔ يَآ اَيُّهَا النَّاسُ اَنْتُمُ الْفُقَرَآءُ اِلَى اللّٰهِ وَاللّٰهُ هُوَ الْغَنِيُّ تم سب بھکاری ہو اللہ کے اور اللہ غنی ہے اس کے باوجود اللہ کہتا ہے۔ فَاذْكُرُونِيٓ اَذْكُرْكُمْ تم میرا ذکر کرو میں تمہارا ذکر کروں گا۔ تم مجھے یاد کرو، میں تمہیں یاد کروں گا۔ تم مجھے مت بھولو میں تمہیں نہیں بھولوں گا۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم حدیثِ قدسی میں فرماتے ہیں کہ اللہ کہتا ہے۔ "اَنَا مَعَ الْعَبْدِ مَا تَحَرَّكَتْ بِيْ شَفَتَاهُ" (اَوْكَمَا قَالَ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ) اللہ کہتا ہے کہ میں بندے کے ساتھ ساتھ ہوتا ہوں۔ جب تک اس کے ہونٹ میرے ذکر میں ہلتے رہتے ہیں جب تک وہ میرا نام لیتا ہے۔ ذکر کرتا ہے۔ اللہ کہتا ہے، میں اس کے ساتھ ساتھ ہوتا ہوں۔ اس کو اکیلا نہیں چھوڑتا۔

اسی طرح حضور فرماتے ہیں کہ اللہ کہتا ہے۔ اَنَا جَلِيْسُ مَنْ ذَكَرَنِيْ (اَوْ كَمَا قَالَ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ) میں اس بندے کا مصاحب پاس بیٹھنے والا جلیس ہوتا ہوں جو میرا ذکر کرتا ہے۔

اسی طرح حضورؐ فرماتے ہیں کہ اللہ کہتا ہے کہ جب بندہ میرا ذکر کرتا ہے تو میں اس کا ذکر کرتا ہوں تنہائی میں اگر کرتا ہے تو میں بھی اس کو تنہائی میں یاد کرتا ہوں اور اگر وہ لوگوں کے مجمع میں میرا ذکر کرتا ہے تو میں اس کے مجمع سے بہتر مجمع میں فرشتوں کے سامنے اس کا ذکر کرتا ہوں۔ اللہ ہمیں یاد کرتا ہے تنہائی میں مجمع میں، اس سے بڑی خوش قسمتی، اعزاز اکرام کسی آدمی کے واسطے کیا ہو سکتا ہے، ذرا سا گورنر، منسٹر کوئی اور بڑا تمہارے گاؤں میں، محلّے میں، بازار میں آجائے حضور یاد رکھیے گا، حضور پہچان لیجیے، حضور بھول لیے گا نہیں، حضور پنجوڑا، زندگی اس کے ہاتھ میں نہیں، موت اس کے ہاتھ میں نہیں۔ تمہارے ملک کے وزیرِ اعظم لیاقت علی کو ایک آدمی نے قتل کر دیا، کیوں بھئی بولو! تمہارے ملک کا وزیرِ اعظم ہاں اور زندگی اس کے ہاتھ میں نہیں قتل ہوگیا۔ عزّت اس کے ہاتھ میں نہیں، ذلّت اس کے ہاتھ میں نہیں اور پیچھے پیچھے دوڑتے ہو یاد رکھیے گا کیا دیدے گا؟ سارے عالم کا خالق اور مالک اور داتا سب کچھ دینے والا لینے والا رکھنے والا کوئی اس کا دُنیا میں شریک نہیں، وہ کہتا ہے کہ تم مجھے یاد کرو میں تمہیں یاد کروں گا تم مجھے مت بھولو میں تمہیں نہیں بھولوں گا تو اگر وہ یاد رکھے اگر وہ توجّہ کرے تمام عالموں سے آدمی بے نیاز ہو جائے تو بھائی حدیثِ قدسی میں نبی کریم صلّی اللہ علیہ وسلّم فرماتے ہیں کہ اللہ کہتا ہے کہ جب بندہ میری طرف ایک بالشت بڑھتا ہے تو میں اس کی طرف ایک ہاتھ بڑھتا ہوں اور جب بندہ میری طرف ایک ہاتھ بڑھتا ہے تو میں اس کی طرف ایک باع بڑھتا ہوں۔ وَمَنْ اَتَانِیْ یَمْشِیْ اَتَیْتُہٗ ھَرْوَلَۃً جب بندہ میری طرف چل کر آتا ہے تو اللہ کہتا ہے میں اُس کی طرف دوڑ کر جاتا ہوں۔ اللہ تعالیٰ ہر طرح نوازتا ہے ہم ہیں کہ اللہ کی پروا ہی نہیں ہے اور کچھ کرنے کو تیّار ہی نہیں۔ دُنیا کے پیچھے کتّے کی طرح دوڑیں گے، اور اللہ کی طرف جُوں کی طرح بھی نہیں چلتے۔ اللہ نے قرآن میں کہا یٰاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تُلْھِکُمْ اَمْوَالُکُمْ وَلَآ اَوْلَادُکُمْ عَنْ ذِکْرِ اللّٰہِ وَمَنْ یَّفْعَلْ ذٰلِکَ فَاُولٰٓئِکَ ھُمُ الْخٰسِرُوْنَ اے ایمان والو! تمہاری تجارت بھی ہے۔ انڈسٹری بھی ہے۔ کھیتی بھی ہے نوکری بھی ہے، مزدوری بھی ہے۔ بیوی بچّے بھی ہیں، پوتے نواسے بھی ہیں، بھائی بہن بھی ہیں، ماں باپ بھی ہیں یہ تمام چیزیں تم کو اللہ کے ذکر سے غافل نہ کر دیں۔ ایسا نہ ہو جائے کہ فرصت ہی نہ ملے، دھیان اور توجّہ ہی نہ ہو۔ سوئیں تب آٹھ اور آٹھ سترہ اور چودہ اور پندرہ کرتے کرتے ننانوے کے پھیر میں، جاگیں تب، اُٹھیں تب، کھائیں تب، چلتے پھرتے ہر وقت جاؤ کہ بھائی صاحب اذان ہوگئی چلو، کہا کہ مولوی صاحب بہت ضروری کام ہے۔ بڑی مشغولیت ہے۔ بس آپ جاؤ پڑھ لو، اپنا دیکھا جائے گا

پڑھوں گا نہیں بھی پڑھوں گا۔ اس وقت پیسے آرہے ہیں۔ یہ حال ہے تو بھائی اللہ کہتا ہے خبردار ! اَلَا تُلْهِكُمْ اَمْوَالُكُمْ وَلَآ اَوْلَادُكُمْ عَنْ ذِكْرِ اللّٰهِ وَمَنْ يَّفْعَلْ ذٰلِكَ اور جس نے ایسا کیا کہ دُنیا میں پھنس کر اللہ کو بھول گیا، توجہ نہیں کی، اللہ کہتا ہے اُولٰٓئِكَ هُمُ الْخَاسِرُوْنَ یہی ہیں گھاٹا ٹوٹا نقصان پانے والے، اور جہنم میں جانے والے۔ آج پتہ نہیں چلتا قریب ہے وقت مَنْ مَّاتَ فَقَدْ قَامَتْ قِيَامَتُهٗ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو مرا اس کی قیامت شروع ہوگئی، تو بھائی مرنے کے بعد پتہ چلے گا، کیا کھویا کیا پایا، کیا کیا اور کیا نہیں کیا؟ اس وقت پتہ چلے گا۔ آج دُنیا میں تو کافر بھی مست رہتا ہے، ظالم بھی مست رہتا ہے۔ فاسق بھی مست رہتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ڈھیل دی ہوئی ہے، جاؤ خوب مستی کرو، وقت آرہا ہے سب کی گردن نپ جائے گی اس لیے اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم چاہتے ہیں کہ آج اس چانس کو موقع کو ضائع مت کرو، جو بڑی بڑی بے انتہا بے مثال نعمتیں مل سکتی ہیں اُن کو حاصل کرو۔

# وفیات

○ تاخیر سے ملنے والی اطلاع کے مطابق جناب حاجی محمود صاحب (پنڈی والے) ۱۰ نومبر کو طویل علالت کے بعد خالقِ حقیقی سے جاملے، اِنَّا لِلّٰہِ وَ اِنَّآ اِلَیْہِ رَاجِعُوْن۔ مرحوم پابندِ صوم وصلوٰۃ تہجد گزار اور خدا ترس انسان تھے۔

"مسنون دُعائیں" اور "اسلامی آداب" وغیرہ چھوٹے چھوٹے رسائل چھپوا کر مفت تقسیم کیا کرتے۔ اہل اللہ اور علماء کا بہت احترام کرتے، اُن سے دِلی عقیدت و محبت کا معاملہ اخیر دم تک قائم رہا۔ دُعا ہے اللہ تعالیٰ مرحوم کو اپنے جوارِ رحمت میں جگہ عطا فرمائے، اُن کے پسماندگان کو صبرِ جمیل کی توفیق دے۔

○ حضرت اقدس بانی جامعہ نور اللہ مرقدہ کے خلیفۂ اجل جناب حاجی محمود صاحب عارفؒ (بانس بازار والے) کے چھوٹے بھائی جناب محمد احمد عرف باوا صاحب ۲۵ دسمبر کی صبح وفات پا گئے اِنَّا لِلّٰہِ وانا الیہ راجعون۔ مرحوم بہت کم گو اور بے ضرر ہونے کے ساتھ ساتھ اکابر سے بے انتہا محبت اور عقیدت رکھنے والے پختہ ذہن کے انسان تھے۔ دُعا ہے اللہ تعالیٰ اُن کی خطاؤں کو معاف فرما کر بلند درجات نصیب فرمائے، اُن کے بچوں کی کفالت اور پسماندگان کو صبر کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔

جامعہ میں مرحومین کے لیے ایصالِ ثواب کرایا گیا۔ اللہ تعالیٰ قبول فرمائے۔ آمین۔

حضرت مولانا عاشق الٰہی بلند شہری مدظلہم (قسط: ۹)

# حیلے اور بہانے

## قوم کی ترقّی کے لیے گناہ کرنے کی حماقت

(۳۱) ایک لیڈر صاحب کا واقعہ سُنا ہے جو اہلِ علم اور دیندار بھی سمجھے جاتے تھے کہ اُنھوں نے ایک موقع پر خود دانستہ طور پر اپنی تصویر کھنچوائی اور کہا کہ اپنی قوم کی ترقّی کے لیے مَیں نے یہ گناہ کیا۔ اپنی قوم کی ترقّی کے لیے مجھے گنہگار ہونا منظور ہے۔ واقعہ تو ہم نے ایک ہی صاحب کا سُنا ہے جس سے اندازہ ہوا کہ اس مزاج کے اور لوگ بھی ہوں گے۔ اس لیے یہاں اس کا ذکر کر دینا مناسب جانا۔

پہلی بات تو یہ ہے کہ گناہوں کی ترقّی کا نام ترقّی رکھنا نہایت ہی حماقت کی بات ہے۔ مُسلمانوں کی ترقّی کس چیز میں ہے۔

اور اگر ترقّی بھی ہو تو وہ ترقّی محمود و محبوب نہیں ... جو دوزخ میں لے جانے والی ہو۔ گناہوں میں کونسی ترقّی ہے جو لوگ اس کو ترقّی کہتے ہیں، وہ اس ترقّی کو جانتے ہی نہیں جس ترقّی کی مؤمن بندوں کو ضرورت ہے، پھر کس نے اس کا پابند بنایا ہے کہ قوم کی ترقّی کے لیے خود دوزخ میں چلے جاؤ، بات وہی ہے کہ دوزخ کا اور عذابِ دوزخ کا اندازہ نہیں ہے۔ گناہ کرنا اور پھر اس میں حکمت تراشنا اور قوم کی خیر خواہی کا بہانہ کرنا اسلامی تقاضوں سے اور قرآن و حدیث کی تصریحات سے صریح غفلت ہے اور فریبِ نفس ہے۔

یہ ترقّی بھی عجیب مصیبت بن گئی ہے، لیڈرانِ قوم مُسلم قوم کی دُنیاوی ترقّی دیکھنا چاہتے ہیں، خواہ گناہوں کے ذریعہ ہو، خواہ حرام مال کے ذریعہ ہو، مُسلمانوں کی دنیاوی ترقی کے لیے فکرمند ہیں، ان کی آخرت کی ترقّی کے لیے نہیں سوچتے۔ اگر حرام میں پڑ کر گناہوں کے ذریعہ کچھ دنیاوی ترقّی کر بھی لی، اور

موت کے بعد عذاب میں گرفتار ہوتے تو اس ترقّی سے نقصان کے علاوہ کیا فائدہ ہوگا؟ اب تو حال یہ ہوگیا ہے کہ جہالت کی وجہ سے لوگ ایمانیات سے دُور ہو رہے ہیں۔ عقیدے متزلزل ہیں، اسلامی عقائد و احکام میں ان کو شک ہے جو غیر قوموں سے متأثّر ہو کر ظاہر ہو رہا ہے، لیکن چونکہ وہ یہ نہیں کہتے کہ ہم مسلمان نہیں ہیں اور نام مُسلمانوں جیسے ہیں۔ اسی لیے بحیثیت قوم کے اُنھیں مُسلمان سمجھا جا رہا ہے۔ جو لوگ حرام ذریعوں سے مال جمع کر رہے ہیں اور بلڈنگیں بنا رہے ہیں۔ بہت سے لیڈر اُنھیں دیکھ کر خوش ہوتے ہیں کہ دیکھو ہماری قوم نے ترقّی کی، ان لوگوں کے نزدیک اسلام رہے یا نہ رہے، مُسلمان نام کی قوم ترقّی کر جاتے تو خوش ہیں۔

مسلم قوم کا بقاء اس میں ہے کہ اُن کے عقائد صحیح ہوں، اعمال درست ہوں اور اُن کی ترقّی اسی میں ہے کہ زیادہ سے زیادہ آخرت میں بلند درجات دلانے والے اعمال سے مالامال ہوں۔ اپنے دین پر جمتے ہوئے حلال طریقوں سے مال نصیب ہو جائے تو وہ بھی اللہ کی نعمت ہے، لیکن اصل ایمان ہے اور اعمال صالحہ ہیں، اس کی بقاء کا فکرمند ہونا لازم ہے۔ مُسلمان کوئی ذات برادری والی نسلی قوم نہیں ہے۔ ہر شخص اپنے اپنے عقیدہ اور عمل سے مُسلمان ہوتا ہے۔

## خدمتِ خلق میں مشغول ہوکر نمازیں ضائع کرنے والے

(۳۲) کچھ لوگوں کو قوم کی ہمدردی کا ایسا جوش سوار ہے کہ قوم کی خدمت ہی کو اُنھوں نے سب کچھ سمجھ رکھا ہے خدمت ہی میں لگے رہتے ہیں اور اس خدمت کے ذیل میں بہت سے کبیرہ گناہ بھی کر جاتے ہیں حتّٰی کہ فرض نماز تک چھوڑ دیتے ہیں۔ اگر کوئی نماز اور دیگر فرائض کی طرف توجہ دلائے تو کہتے ہیں کہ صاحب ہم نے نماز نہ پڑھی تو کیا ہُوا، ہم خدمتِ خلق میں لگے ہُوئے ہیں یہ بھی تو ثواب کا کام ہے۔ اپنے آپ کو گناہوں میں مُبتلا رکھنا اور دوسروں کی خدمت کرنا۔ (علاج معالجہ کر دینا یا دوا مفت دے دینا وغیرہ وغیرہ) اور یہ سمجھ لینا کہ ہمیں گناہوں سے بچنے اور فرائض کا اہتمام کرنے کی ضرورت نہیں ہے، بہت بڑی گمراہی ہے۔

شریعت میں اعمال کی ترتیب ہے، کچھ فرائض ہیں، کچھ واجبات ہیں۔ کچھ سُنّتیں ہیں۔ خدمتِ خلق بھی ثواب کا کام ہے۔ بشرطیکہ شریعت کے مطابق ہو۔ اس میں گناہ نہ ہوتے ہوں اور فرائض و واجبات کی ادائیگی میں رکاوٹ نہ ہوتی ہو، نماز دین کا ستون ہے، ایمان کے بعد اسی کا مرتبہ ہے ——— اگر نماز نہیں تو کچھ بھی نہیں۔ ایک حدیث میں ارشاد ہے کہ دینِ اسلام میں نماز کا مرتبہ ایسا ہے

جیسا پورے جسم میں سر کا درجہ ہے۔ اگر سر کٹ جائے تو آدمی زندہ نہیں رہ سکتا اسی طرح تارکِ نماز کا دین باقی نہیں رہ سکتا۔

ایک حدیث میں ارشاد ہے۔

| | |
|---|---|
| لَا تَتْرُكَنَّ صَلٰوةً مَكْتُوْبَةً مُتَعَمِّدًا | یعنی فرض نماز ہرگز قصدًا نہ چھوڑ کیونکہ جس |
| فَاِنَّ مَنْ تَرَكَ صَلٰوةً مَكْتُوْبَةً مُتَعَمِّدًا | نے فرض نماز قصدًا چھوڑ دی اس سے اللہ |
| فَقَدْ بَرِأَتْ مِنْهُ ذِمَّةُ اللّٰهِ [۲] | تعالیٰ کا ذمہ بری ہوگیا۔ |

یعنی اب اللہ کی کوئی ذمہ داری نہیں رہی کہ اس کو امن و امان اور عزت سے رکھے، اور مصائبِ دُنیا اور عذابِ آخرت سے اس کو بچائے۔

ایک نماز کا کتنا بڑا مرتبہ ہے۔ اُس کے سمجھنے کے لیے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد پر غور کریں۔

| | |
|---|---|
| اَلَّذِیْ تَفُوْتُهٗ صَلٰوةُ الْعَصْرِ | یعنی جس کی نماز عصر جاتی رہی، اس کا اس قدر |
| فَكَاَنَّمَا وُتِرَ اَهْلُهٗ وَ | نقصان ہوا کہ جیسے اس کے اہل و اولاد اور سارا |
| مَالُهٗ۔ [۳] | مال ختم ہوگیا۔ |

جو حضرات اس دھوکے میں ہیں کہ ہم خدمتِ خلق کرتے ہیں۔ دوا مفت دیتے ہیں گشتی شفاخانے قائم کر رکھے ہیں۔ ہم نے یہ نیک کام کر لیے اور نمازیوں نے نماز پڑھ لی، للہذا ہم اور وہ برابر ہوگئے ۔ وہ حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد ذیل کو غور سے پڑھیں۔

## قیامت کے دن سب سے پہلے نماز کا حساب ہوگا

| | |
|---|---|
| اِنَّ اَوَّلَ مَا یُحَاسَبُ بِهِ الْعَبْدُ | بلاشبہ قیامت کے دِن بندہ کے اعمال |
| یَوْمَ الْقِیَامَةِ مِنْ عَمَلِهٖ | کا جو حساب ہوگا، ان میں سب سے |

---

[۱] الترغیب والترہیب ص ۲۴۶ ج ۱ [۲] مشکوٰۃ المصابیح ص ۱۸

[۳] مشکوٰۃ المصابیح ص ۶۰ عن البخاری ومسلم ۱۲

صَلٰوتُہٗ فَاِنْ صَلُحَتْ فَقَدْ اَفْلَحَ وَاَنْجَحَ وَاِنْ فَسَدَتْ فَقَدْ خَابَ وَخَسِرَ،
(الحدیث رواہ ابو داؤد عن ابی ہریرۃؓ)[1]

اوّل نمبر پر نماز ہو گی۔ پس اگر نماز ٹھیک نکلی تو کامیاب اور بامراد ہو گا، اور اگر خراب نکلی تو ناکام ہو گا، اور خسارہ میں پڑے گا۔

ایمان کے بعد سب سے پہلے نماز کا درجہ ہے۔ اعمال میں وہ سب سے پہلے فرض ہوئی اور قیامت میں بھی سب سے پہلے اسی کا حساب ہو گا۔ اور اس دن کامیابی اور ناکامی کا فیصلہ نماز کے ٹھیک اور بے ٹھیک ہونے پر ہو گا۔ یہ جو فرمایا کہ "نماز ٹھیک نکلی تو کامیاب و بامراد، ورنہ ناکام ہو گا" اس کا مفہوم بہت وسیع ہے، حساب کے وقت نماز کا ٹھیک نکلنا یہ ہے کہ بالغ ہونے کے بعد سے موت آنے تک پابندی سے سب نمازیں ادا کی ہوں، بے وقت کر کے نہ پڑھی ہوں، فرائض و واجبات اور سُنّتوں کا دھیان رکھا ہو، نماز میں جو کچھ پڑھا جاتا ہے۔ وہ صحیح یاد ہو، جو حضرات نماز پڑھتے ہیں اُن کو بھی فکر مند ہونے کی ضرورت ہے کہ ہم کیسی نماز پڑھتے ہیں۔ اور اُن لوگوں پر سخت تعجب ہے جو یا تو نماز پڑھتے ہی نہیں۔ اور اگر کبھی کبھار پڑھ بھی لیتے تو لاعلمی کی وجہ سے بہت سی غلطیاں کر لیتے ہیں اور گمان اُن کو یہ ہے کہ چونکہ ہم خدمتِ خلق میں مشغول ہیں۔ اس لیے نمازیوں سے ہمارا مرتبہ زیادہ نہیں تو کم بھی نہیں۔ حدیث شریف میں صاف بتا دیا کہ اگر نماز ٹھیک نہ نکلی تو ناکامی اور نامرادی کا سامنا ہو گا۔ بلکہ مؤطا کی ایک روایت میں یوں ہے۔

اگر نماز واپس کر دی گئی تو باقی اعمال بھی رد ہوں گے۔

اِنَّ اَوَّلَ مَا یُنْظَرُ فِیْہِ مِنْ عَمَلِ الْعَبْدِ الصَّلٰوۃُ فَاِنْ قُبِلَتْ مِنْہُ نُظِرَ فِیْمَا بَقِیَ مِنْ عَمَلِہٖ وَاِنْ لَمْ تُقْبَلْ مِنْہُ لَمْ یُنْظَرْ فِیْ شَیْءٍ مِنْ

یعنی سب سے پہلے بندہ کے اعمال میں سے جس کے بارے میں نظر کی جائے گی وہ نماز ہو گی۔ پس اگر نماز قبول کر لی گئی تو اس کے باقی اعمال کی بھی دیکھ بھال کی جائے گی۔ اور اگر اس کی نماز قبول نہ کی گئی تو اس کے

---

[1] کذا فی المشکوٰۃ ص ۱۱۷ والحدیث اخرجہ الترمذی ص ۸۷، ج ۱

عَمَلِہٖ[1] دوسرے کسی عمل میں غور نہ ہوگا۔

حدیث مندرجہ ذیل پر بھی غور فرمائیں جو حافظ منذری نے الترغیب والترہیب ص ۱۴۱ ج اوّل) پر نقل کی ہے۔ عن ابی ھریرۃ رضی اللہ عنہ قال قال رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم اَلصَّلٰوۃُ ثَلٰثَۃُ اَثْلَاثٍ اَلطُّھُوْرُ ثُلُثٌ ، وَالرُّکُوْعُ ثُلُثٌ ، وَالسُّجُوْدُ ثُلُثٌ ، فَمَنْ اَدَّاھَا بِحَقِّھَا قُبِلَتْ مِنْہُ وَقُبِلَ مِنْہُ سَائِرُ عَمَلِہٖ وَمَنْ رُدَّتْ عَلَیْہِ صَلٰوتُہٗ رُدَّ عَلَیْہِ سَائِرُ عَمَلِہٖ

ترجمہ: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ حضور اقدس صلّی اللہ علیہ وسلّم نے ارشاد فرمایا کہ نماز (ثواب کے اعتبار سے) تین حصّوں پر مشتمل ہے۔ (۱) ایک تہائی طہارۃ (۲) ایک تہائی رکوع اور (۳) ایک تہائی سجدہ۔ سو جس نے نماز کو اس طرح ادا کیا جیسا کہ اس کا حق ہے تو قبول کی جائے گی اور اس کے باقی اعمال بھی قبول کر لیے جائیں گے اور جس کی نماز واپس کر دی گئی اس کے باقی اعمال بھی واپس کر دیے جائیں گے۔

(رواہ البزار، قال الحافظ اسنادہ حسن)

جب سارے اعمال کی قبولیت کا دار و مدار ہی نماز کی قبولیت پر ہے تو نماز نہ پڑھ کر یا خراب طریقہ پر پڑھ کر یا اس کی پابندی نہ کر کے اس خیال میں رہنا کہ اگر نماز نہ پڑھی تو کیا ہے؟ ہم اور بہت اچھے کام کرتے ہیں۔ ان کی وجہ سے نجات پا جائیں گے اور کامیاب ہو جائیں گے۔ یہ غلط خیال ہے۔ رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم نے نماز بتائی اور دیگر اعمالِ صالحہ سے بھی باخبر فرمایا اور خدمتِ خلق کا ثواب بھی بتلایا اور ساتھ ہی یہ بھی فرمایا کہ نماز ٹھیک نہ نکلی تو ناکام و نامراد ہوگا اور نماز واپس کر دی گئی تو سارے عمل واپس کر دیے جائیں گے۔ ہر ارشاد کو سامنے رکھو اور عمل کرو۔ اِدھر اُدھر کی باتیں کرنے کے بجائے اپنے نفس کو نماز کی ادائیگی پر آمادہ کرنا لازم ہے۔ بہت سے لوگ الیکشن لڑتے ہیں، عہدے حاصل کر لیتے ہیں۔ وزیر اور صدر تک بن جاتے ہیں۔ دوسرے گناہوں میں تو ملوّث ہوتے ہی ہیں خاص طور سے نماز کو ضائع کرتے ہیں۔ قوم کا درد لیے پھرتے ہیں، مگر اپنی جان کا درد نہیں کہ قیامت میں ہمارا کیا بنے گا؟ قرآن مجید میں ارشاد ہے۔

---

[1] موطا مالک مع تنویر الحوالک ص ۱۴۴ ج ۱

فَخَلَفَ مِنْۢ بَعْدِهِمْ خَلْفٌ اَضَاعُوا الصَّلٰوةَ وَاتَّبَعُوا الشَّهَوٰتِ فَسَوْفَ يَلْقَوْنَ غَيًّا ۝ اِلَّا مَنْ تَابَ وَاٰمَنَ وَعَمِلَ صَالِحًا فَاُولٰٓئِكَ يَدْخُلُوْنَ الْجَنَّةَ وَلَا يُظْلَمُوْنَ شَيْئًا ۝ جَنّٰتِ عَدْنِ ِالَّتِيْ وَعَدَ الرَّحْمٰنُ عِبَادَهٗ بِالْغَيْبِ اِنَّهٗ كَانَ وَعْدُهٗ مَاْتِيًّا ۝ (سورۃ مریم ع ۴)

پھران کے بعد ایسے ناخلف پیدا ہوئے جنھوں نے نماز کو برباد کیا اور خواہشوں کی پیروی کی۔ سو یہ لوگ عنقریب خرابی دیکھیں گے ، ہاں مگر جس نے توبہ کرلی اور ایمان لے آیا، اور نیک کام کرنے لگا۔ سو یہ لوگ جنّت میں جاویں گے اور ان کا ذرا نقصان نہ کیا جاوے گا، ہمیشہ رہنے کے باغوں میں جائیں گے جن کا رحمٰن نے اپنے بندوں سے غائبانہ وعدہ فرمایا ہے۔ اس کے وعدہ کی ہوئی چیز کو یہ لوگ ضرور پہنچیں گے (سورۃ مریم ع ۴)

پس نماز کا اہتمام اور پابندی لازم ہے توبہ کریں اور صالحین میں شمار ہوں تاکہ آخرت کی خرابی اور بربادی سے بچیں اور جنّت میں داخل ہوں

بقیہ: رحمتہ للعالمین

قَالَ اِنَّمَآ اُوْتِيْتُهٗ عَلٰى عِلْمٍ عِنْدِيْ۔ (۸) میری دولت میری مہارت کی بناء پر مجھ کو دی گئی۔ (کیا دُنیا کے یہ غریب اور کمزور بھی میری طرح سود لیتے۔ سرمایہ جوڑتے۔ مل اور کارخانے قائم کرنے اور ڈپلومیسی کے ماہر ہیں۔ تو پھر یہ چین کی زندگی بسر کرنے کے کیسے مستحق؟ ساری دولت خاص طور پر میرا حصّہ ہے۔ رحم وکرم دقیانوسی خیال ہے۔ غُربا پروری حماقت ہے۔ آخرت اور عذاب آخرت ڈھکوسلا ہے (معاذ اللہ)

فَخَرَجَ عَلٰى قَوْمِهٖ فِيْ زِيْنَتِهٖ (۹) اپنی قوم کے سامنے بن ٹھن کر نکلا۔

قَالَ الَّذِيْنَ يُرِيْدُوْنَ الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا يٰلَيْتَ لَنَا مِثْلَ مَآ اُوْتِيَ قَارُوْنُ۔ اِنَّهٗ لَذُوْ حَظٍّ عَظِيْمٍ۔ (۱۰) جن کی نظر میں صرف دُنیا کی زندگی پر جمی ہوتی تھیں۔ (جو قارون کے مرض میں مبتلا تھے۔ اگرچہ اتنی دولت سے محروم تھے) کہہ اُٹھے کاش ہمارے پاس بھی ایسا ہی ہوتا جو قارون کو دیا گیا۔ وہ بڑے حصّہ والا ہے۔ (یہ ہوتے سرمایہ داروں کے ایجنٹ، شیطانوں کے مرید۔ فرعونوں کے کاسہ لیس۔ شمس العلماء خان بہادر۔ راؤ بہادر۔ سر اور راجہ۔ مہاراجہ۔)

# مسائلِ

# زکوٰۃ

"جس شخص نے مال کی زکوٰۃ ادا نہیں کی، قیامت میں اس کا مال ایک زہریلا اژدہا بنا کر اس کے گلے میں ڈالا جائیگا جو اس کو کاٹتا رہیگا اور یہ کہہ کر کاٹے گا کہ میں تیرا مال ہوں تیرا خزانہ ہوں"۔ (حدیث)

"ہمارے ایک معزّز دوست نے توجّہ دلائی کہ بہت سے اصحابِ استطاعت لوگ زکوٰۃ کے مسائل سے ناواقف ہونے کی وجہ سے زکوٰۃ جیسے فریضہ کی ادائیگی میں کوتاہی کرتے ہیں اور اگر وہ مسائل معلوم کرنا چاہتے ہیں تو آسان زبان میں مسائل نہیں ملتے، اور مشکل زبان جس میں عربی الفاظ آتے ہوں سمجھنے سے قاصر رہتے ہیں اور ایسے مضمون کو چھوڑ دیتے ہیں۔ اس لیے سہل زبان میں یہ کچھ مسائل درج کیے جا رہے ہیں۔ اگر کوئی صاحب زکوٰۃ کے اور مسائل دریافت کرنا چاہیں تو وہ بھی دریافت کرلیں تاکہ یہ مجموعہ مختصر رسالہ کی صورت میں بھی طبع کرا دیا جائے"۔ (حامد میاں غفرلہٗ)

سوال: زکوٰۃ کی مذہبی نوعیت کیا ہے؟

جواب: زکوٰۃ فرض ہے۔ اسلام کے بنیادی ارکان میں شامل ہے، اس کا منکر کافر ہے اور اس پر عمل نہ کرنے والا گنہگار ہے۔

سوال: کیا زکوٰۃ ادا کرنے کے لیے نیت ضروری ہے؟

جواب: نیت ضروری ہے ورنہ زکوٰۃ ادا نہ ہوگی۔

سوال: زکوٰۃ کی شرح کیا ہے؟

جواب: زکوٰۃ کی شرح مال تجارت، سونے اور چاندی کا چالیسواں حصّہ ہے۔ یعنی سو روپے پر ڈھائی روپے زکوٰۃ ادا کرنی ہوگی۔

سوال: زکوٰۃ کس سرمایہ پر ادا کرنا ہوگی؟

جواب: نقد، زیور (چاہے استعمال میں آتا ہو یا رکھا رکھا ہو) سونا چاندی اور کاروباری سرمایہ خواہ وہ نقد ہو یا مال کی اتنی قیمت[۱] اور مالیت ہو اور جو مال قرض میں دیا ہوا ہو سب سرمایہ پر سال گزرنے پر زکوٰۃ ادا کرنی ہوگی۔

سوال: نصاب زکوٰۃ کیا ہے؟

جواب: ساڑھے باون[۲] تولے چاندی، ساڑھے[۳] سات تولے سونا یا اتنی قیمت کا مال تجارت یا نقد موجود ہو تو زکوٰۃ دی جائے گی۔

سوال: "صاحبِ نصاب" سے کیا مراد ہے؟

جواب: جن مالوں میں زکوٰۃ فرض ہے شریعت نے اُن کی خاص خاص مقدار مقرّر کر دی ہے۔ اس مقرّرہ مقدار کو "نصاب" کہتے ہیں اور اتنی مقدار جس کے پاس ہو اُسے "صاحبِ نصاب" کہتے ہیں۔

سوال: کیا جائداد و عمارات پر زکوٰۃ ہوگی؟

جواب: جائداد اور عمارتوں پر خواہ رہائشی ہوں یا کرایہ پر دی ہوئی ہوں[۴] اُن پر زکوٰۃ نہیں۔ جو اُن سے آمدنی ہوگی وہ سال کے ختم پر دیکھی جائے گی اور اس پر حساب لگا کر زکوٰۃ دی جائے گی۔

---

[۱] بعض لوگوں کا خیال ہے کہ زکوٰۃ صرف تجارتی مال سے حاصل شدہ رقم پر ہوتی ہے جو نقد کی صورت میں موجود ہو، تجارتی مال پر نہیں ہوتی، یہ خیال بالکل غلط ہے زکوٰۃ تجارتی مال اور اس سے کمائی ہوئی رقم دونوں پر ہوتی ہے۔ کتب فقہ میں اس کی تصریح موجود ہے۔ [۲] ۶۱۲ء۳۵ گرام [۳] ۸۷ء۴۷۹ گرام۔

[۴] یعنی جو عمارتیں کرایہ پر دی ہوئی ہیں۔ ان سے حاصل شدہ کرایہ اگر اتنی مقدار میں ہے کہ وہ تنہا ۵۲½ تولہ چاندی کی مالیت کو پہنچ جاتا ہے تو اُس پر سال کے بعد زکوٰۃ دینی ہوگی، اور اگر تنہا کرایہ تو اتنا نہیں ہے، لیکن کرایہ سے حاصل شدہ رقم اور دوسری اشیاء (سونا چاندی، مال تجارت، کیش رقم) مل کر ۵۲½ تولہ چاندی کی مالیت کو پہنچ جاتی ہیں تو پھر سب کو ملا کر حساب کر کے زکوٰۃ دینی ہوگی۔

سوال : زکوٰۃ سے اور اس قسم کی کیا کیا چیزیں مستثنٰی ہیں ؟

جواب : جائداد کے علاوہ مشینری کے اوزار ، فرنیچر ، برتن ، کپڑے خواہ وہ کسی تعداد میں ہوں زکوٰۃ سے مستثنٰی ہیں۔

سوال : زکوٰۃ کس کس کو دی جا سکتی ہے ؟

جواب : یہ سوال بڑا مفید ہے۔ اس کا جواب سمجھ کر یاد رکھنا چاہیے کہ زکوٰۃ اس کو دی جائے گی (جو نصابِ زکوٰۃ کا مالک نہ ہو، اور) جس کے پاس استعمالی ضرورت سے زیادہ سامان بھی نہ ہو۔ لہٰذا اگر کسی کے پاس گھر میں قیمتی فالتو سامان پڑا ہو مثلاً تانبے کے برتن اور قالین وغیرہ جو وہ استعمال میں نہیں لاتا (یا ریڈیو، ٹیپ ریکارڈر، ٹیلیویژن اور زائد از ضرورت فرنیچر وغیرہ) تو اس سامان کی قیمت کا اندازہ کیا جائے گا، اگر اس سامان کی قیمت بقدرِ نصاب بن جاتی ہے۔ یعنی ساڑھے باون تولے چاندی یا ساڑھے سات تولے سونے کی قیمت کے برابر، تو یہ شخص زکوٰۃ لینے کا مستحق نہیں ہوگا۔ اگر اپنے آپ کو غریب کہہ کر زکوٰۃ لے گا تو سخت گنہگار ہوگا۔ ایسا شخص نہ زکوٰۃ لے سکتا ہے نہ صدقہ فطر، بلکہ ایسے آدمی پر تو خود صدقہ فطر دینا واجب ہوتا ہے اور قربانی بھی اور یہ بھی سمجھ لیجیے کہ زکوٰۃ اپنی اُصول یعنی ماں باپ یا اُن کے ماں باپ ، دادا ، دادی ، نانا نانی کو نہیں دی جا سکتی۔ ایسے ہی فروع یعنی بیٹا بیٹی پوتا پوتی، نواسہ نواسی کو بھی نہیں دی جا سکتی۔ شوہر بیوی کو اور بیوی شوہر کو نہیں دے سکتی۔

سیّدوں کو وہ حسنی ہوں یا حسینی اور حضرت علی کرم اللہ وجہہٗ کی دوسری اولاد کو جنہیں علوی کہتے ہیں۔ حضرت عقیلؓ حضرت جعفر طیّارؓ کی اولاد کو بھی جو جعفری کہلاتے ہیں اور حضرت عبّاسؓ بن عبد المطلب کی اولاد کو بھی جو عبّاسی کہلاتے ہیں اور اگر کوئی حضرت حارثؓ بن عبد المطلب کی اولاد میں ہوں تو اُنہیں بھی، غرض ان سب خاندانوں کو زکوٰۃ دینی اور اُنہیں لینی منع ہے۔

(سوال : مدارس اسلامیہ میں زکوٰۃ کا مال دینا جائز ہے یا نہیں ؟

جواب : ہاں طالب علموں کو زکوٰۃ کا مال دینا جائز ہے اور مدارس کے مہتمموں کو اِس کے لیے کہ وہ طالب علموں پر خرچ کریں، دینے میں کچھ مضائقہ نہیں،)

سوال : کیا غیر مُسلم کو زکوٰۃ دی جا سکتی ہے ؟

جواب : نہیں۔

سوال : زکوٰۃ کی رقم فوری ادا کرنی چاہیے یا مناسب موقع کے انتظار میں یہ رقم روکی بھی جا سکتی ہے ؟

جواب : دونوں صُورتیں جائز ہیں، لیکن جلدی دینا افضل ہے۔

سوال : بعض لوگوں کو کہتے سُنا ہے کہ نقد رقم نہ رکھو ورنہ زکوٰۃ دینی ہوگی، اس لیے جائداد خرید لو، ایسے لوگوں کے لیے شریعت کا کیا حُکم ہے ؟

جواب : ایسا کرنا مناسب نہیں۔ ایسا کرنے سے غریبوں کا حق مارا جاتا ہے۔

سوال : کاروباری اداروں کو سرمایہ کی زکوٰۃ کس طرح ادا کرنی چاہیے ؟

جواب : مثال کے طور پر یہ خاکہ ملاحظہ فرمائیں۔

| | | |
|---|---|---|
| بلڈنگ فرنیچر کھاتہ | ۳۰۰۰۰/۰۰ | مستثنیٰ ہے۔ |
| مشینری کھاتہ | ۴۰۰۰۰/۰۰ | |
| بینک کھاتہ | ۲۰۰۰۰/۰۰ | سرمایہ کھاتہ مالک فرم ۲۰۰۰۰۰/۰۰ |
| اُدھار کھاتہ | ۶۵۰۰۰/۰۰ | |
| اسٹاک کھاتہ | ۴۰۰۰۰/۰۰ | |
| نقد باقی | ۵۰۰۰/۰۰ | |
| کُل | ۲۰۰۰۰۰/۰۰ | |
| زکوٰۃ سے مستثنیٰ | ۷۰۰۰۰/۰۰ | |
| بقایا رقم جس پر۔ زکوٰۃ ادا کرنی ہے | ۱۳۰۰۰۰/۰۰ | |

جو مال بغرضِ تجارت خرید و فروخت میں نہ آئے وہ مستثنیٰ ہے، جیسے سامان رکھنے کے برتن، دکان میں استعمال ہونے والا فرنیچر (یا اوزار، اور مشینری) وغیرہ۔

سوال : مویشی یعنی، بھیڑ بکری کا کاروبار کرنے والا، مویشیوں کی قیمت لگا کر اس قیمت پر زکوٰۃ

ادا کرے گا یا مویشیوں کی تعداد کے مطابق؟

جواب: جو جانور تجارت کے لیے ہوں اُن کی موجودہ قیمت لگا کر زکوٰۃ دی جائے گی۔

سوال: سواری کے لیے گھوڑا گاڑی یا موٹر ہو تو ان پر زکوٰۃ ہوگی یا نہیں؟

جواب: نہیں۔

سوال: ایک شخص کے پاس دس ہزار روپے تھے، اُن پر سال گزر گیا، وہ زکوٰۃ کا ارادہ ہی کر رہا تھا کہ سارے روپے چوری ہو گئے، کیا اس صُورت میں اس پر زکوٰۃ فرض ہے یا معاف ہوگئی۔

جواب: سارا مال چوری ہو جانے یا سارے کا سارا مال خیرات کرنے سے زکوٰۃ معاف ہو جاتی ہے۔

سوال: زکوٰۃ کا مال مستحق کو خود دینا ضروری ہے یا کسی اور کے ذریعہ بھی دیا جا سکتا ہے۔

جواب: خود بھی دے سکتا ہے اور کسی دوسرے شخص کے ذریعہ بھی۔

سوال: ایک مالدار مسافر کا سارا مال ضائع ہو گیا۔ گھر میں اگرچہ اس کا بہت مال موجود ہے لیکن اس وقت اس کے پاس کچھ نہیں رہا تو کیا اُسے زکوٰۃ دی جا سکتی ہے۔

جواب: جی ہاں ایسے مسافر کو جو حالتِ سفر میں محتاج ہو گیا ہو زکوٰۃ دی جا سکتی ہے، چاہے اس کے گھر میں اس کے لاکھوں روپے ہی کیوں نہ ہوں۔

سوال: زکوٰۃ کی رقم سے مسجد بنانا یا مُردے کا قرض ادا کرنا یا مُردے کا کفن وغیرہ تیّار کرنا کیسا ہے؟

جواب: ان صُورتوں میں زکوٰۃ ادا نہیں ہوگی، کیونکہ زکوٰۃ کی ادائیگی اس وقت ہوگی کہ جب کوئی محتاج اُسے لے۔ (زکوٰۃ کی ادائیگی کے لیے شرط ہے کہ جسے زکوٰۃ دی جائے اُسے زکوٰۃ کا مالک بنا دیا جائے)

سوال: ایک شخص نے کسی کو زکوٰۃ کا مستحق سمجھ کر زکوٰۃ دی بعد میں معلوم ہُوا کہ وہ تو مالدار ہے یا سیّد ہے، تو کیا وہ شخص دوبارہ زکوٰۃ دے یا زکوٰۃ ادا ہوگئی۔

جواب: اگر دینے والے نے مستحق سمجھ کر زکوٰۃ دی ہے تو زکوٰۃ ادا ہوگئی۔ اسی طرح اس شخص کی بھی زکوٰۃ ادا ہو جاتی ہے جس نے تاریکی میں اپنی ماں یا دوسرے ایسے رشتہ دار کو جسے زکوٰۃ نہیں دی جا سکتی۔ زکوٰۃ دے دی اور بعد میں پتہ چلا کہ وہ ایسا رشتہ دار ہے جو اُس کی زکوٰۃ کا مستحق نہیں۔ اور اگر کسی نے کسی کو زکوٰۃ دی اور بعد میں معلوم ہُوا کہ وہ کافر ہے تو زکوٰۃ ادا نہیں ہُوئی۔ پھر ادا کرنی ہوگی۔ یہ بھی یاد رکھنا چاہیے کہ اگر مذکورہ بالا صُورتوں میں مالدار سیّد اور رشتہ دار کو یہ معلوم ہو گیا

کہ یہ زکوٰۃ کی رقم تھی تو واپس کر دیں۔

سوال : ایک شخص سال کے اوّل اور آخر میں مالک نصاب تھا۔ مثلاً اس کے پاس اتنے روپے تھے جو ساڑھے باون تولے چاندی کی قیمت بنیں، لیکن درمیان سال میں کچھ پیسے خرچ ہوگئے اور کچھ دنوں وہ مالک نصاب نہیں رہا تو کیا اس پر زکوٰۃ ہوگی۔

جواب : جو شخص سال کے اوّل اور آخر میں نصاب کا مالک ہو اس پر زکوٰۃ ہوگی۔ چاہے سال کے درمیان میں مال نصاب سے کم ہوگیا ہو۔ ہاں اگر سال کے درمیان میں اس کا سارے کا سارا مال ضائع ہوگیا اور سال کے آخر میں پھر کہیں سے مل گیا، تو اب گزشتہ سال کی زکوٰۃ اس پر نہیں ہے بلکہ جب سے دوبارہ مال آنا شروع ہُوا ہے اس وقت سے اس کا مالی سال شروع ہوگا

سوال : اگر مال سال گزرنے سے چند ہی روز پہلے جاتا رہا تو زکوٰۃ ہوگی یا نہیں۔

جواب : نہیں۔

سوال : ایک شخص کے پاس تین ہزار روپے موجود ہیں (گویا وہ صاحب نصاب ہے) لیکن یہ اتنے ہی روپوؤں کا قرضدار بھی ہے تو کیا اس پر زکوٰۃ ہوگی؟

جواب : اس پر زکوٰۃ نہیں ہوگی۔

سوال : ایک تاجر کے پاس ابتداءِ سال میں تین ہزار روپے تھے جن سے اس نے تجارت شروع کی۔ سال کے آخر میں اس کے پاس پانچ ہزار روپے جمع ہوگئے تو کیا اس تاجر کو صرف تین ہزار روپے کی زکوٰۃ ادا کرنی ہوگی یا پانچ ہزار کی۔

جواب : اسے پانچ ہزار روپے کی زکوٰۃ دینی ہوگی۔

سوال : اگر کسی نے سال گزرنے سے پہلے ہی اپنی زکوٰۃ ادا کردی تو کیا ادا ہوجائے گی۔

جواب : ادا ہوجائے گی۔

(سوال : جس کو زکوٰۃ دی جائے اسے یہ بتا دینا کہ یہ مال زکوٰۃ ہے ضروری ہے یا نہیں؟

جواب : یہ ضروری نہیں بلکہ اگر انعام کے نام سے یا کسی غریب کے بچوں کو عیدی کے نام سے دے دو جب بھی زکوٰۃ ادا ہو جائے گی۔)

سوال : زرعی زمین یا باغ سے پیداوار پر عُشر ہے۔ عُشر کے کیا معنٰی ہیں اور اس کی ادائیگی کا کیا طریقہ ہے۔

(بقیہ بر صفحہ ۴۲)

مولانا محمدؐ عاشق الٰہی مدنی

# ماہِ مُبارک کو مکدر نہ کیجیے

رمضان المبارک بڑا مبارک مہینہ ہے۔ اس میں نیکیوں کی طرف بہت زیادہ توجّہ کرنی چاہیے اور الحمد للہ ہر مُسلمان کچھ نہ کچھ خیر کی طرف اس ماہ میں ضرور بڑھتا ہے۔ اس ماہ میں نیکیوں کے کیا فضائل ہیں اور رمضان کی کیا خصوصیات ہیں۔ عام طور سے اُمّتِ مسلمہ اس سے واقف ہے جی چاہتا ہے کہ "حسناتِ رمضان" کے ساتھ ساتھ مروجہ منکرات کی بھی نشاندہی کر دی جائے۔ یعنی ان بُرائیوں کو ذکر کر دیا جائے جو اس مہینہ میں عموماً لوگوں سے سرزد ہوتی ہیں، کیونکہ شیطان ہر ممکن طریق سے نیک بندوں کے کاموں میں روڑا بلنے کے ڈھنگ نکالتا ہے اور منکرات کو رواج دینے میں اس طرح کامیاب ہو جاتا ہے کہ اکثر عوام بلکہ بعض خواص بھی بُرائی کو نیکی سمجھنے لگتے ہیں اور گناہ کو ثواب سمجھ کر کرتے ہیں سالہا سال کے مشاہدات اور تجربات کے بعد مروجہ منکراتِ حیطۂ تحریر میں لا رہا ہوں۔

(۱) ایک بہت بُرا رواج یہ ہو گیا ہے کہ کمسن بچوں کو روزہ رکھا کر بچے کا فوٹو اخبارات میں شائع کرایا جاتا ہے۔ اس میں دو باتیں قابلِ ذکر ہیں۔

اوّل: یہ کہ کمسنی ہی میں بچّے کے ذہن میں ریاکاری کا بیج بو دیا جاتا ہے اور بچّہ کے دِل میں یہ بات جم جاتی ہے کہ روزہ رکھنا ایسا کام ہے جس کا اخبار میں اشتہار دینا چاہیے اور نیکی کو اُچھالنا بھی ایک ضروری کام ہے۔ العیاذ باللہ روزہ رکھنا مقصود نہیں بلکہ شہرت مقصود ہے سب جانتے ہیں کہ ریاکاری نیکیوں کی آری ہے اس کے ہوتے ہوئے کوئی نیکی، نیکی نہیں رہتی۔

دوم: تصویر کھنچوانا اور اخبارات میں شائع کرانا یہ مستقل گناہ ہے، ریاکاری کے ساتھ تصویر کشی کے گناہ میں ملوّث ہوتے ہیں۔ بچّے سے ایک نیکی کرائی اور خود گناہ کبیرہ میں مُبتلا ہوئے، یہ کیسی نادانی ہے؟ مسلمانوں کو اپنے ہر عمل کے بارے میں سوچنا چاہیے کہ اللہ کی رضا مطلوب ہے یا اور کچھ؟

ادلے بدلے کے عنوان سے دعوتیں ہوتی ہیں، بلکہ الیکشن جیتنے تک کے مضمرات اس میں پوشیدہ ہوتے ہیں اور ووٹروں اور سپوٹروں کو دعوت کے ذریعہ مانوس کیا جاتا ہے اور یہ دعوتیں چیئرمینوں اور ممبروں بلکہ وزیروں اور اُن کے مشیروں اور عزیزوں کو بطورِ رشوت کھلائی جاتی ہیں اس لیے شریعت کے اُصول کا خیال نہیں رہتا۔ خدارا ذرا غور کریں، کیا ایسی دعوتیں سنّت ہیں جن پر نماز یا نماز باجماعت کو قربان کیا جاسکے، پھر یہ بات بھی قابلِ ذکر ہے کہ نام تو ہے "افطار پارٹی" کا، مگر اس میں چونکہ مندرجہ بالا اُصول کے مطابق دعوت دی جاتی ہے اس لیے اکثر بے روزہ دار بھی تشریف لاکر روزہ کھول لیتے ہیں۔ کلا بل لا یخافون الاٰخرۃ ط

(۳) بعض مساجد میں تراویح کا بوجھ اُتارنے کے لیے عشار کی اذان وقت سے پہلے دے دیتے ہیں حالانکہ اذان وقت ہونے کے بعد ہونی چاہیے اور مسجد سے جلد نکل کر ہوٹل میں بیٹھنے کے لیے تیز رفتار حافظ ریل کو ترجیح دیتے ہیں خواہ حروف کٹنے کی وجہ سے ایک آیت بھی صحیح نہ ہو۔

(۴) بہت سی عورتیں تراویح نہیں پڑھتی ہیں اور اس کو صِرف مردوں کے کرنے کا کام سمجھا جاتا ہے، حالانکہ نمازِ تراویح بالغ مرد و عورت سب کے لیے سُنّتِ مؤکدہ ہے۔

(۵) بعض لوگ پورے ماہ تراویح پڑھنا ضروری خیال نہیں کرتے بلکہ صرف ایک بار قرآن مجید سُن لینا کافی سمجھتے ہیں۔ خواہ جتنے دن میں بھی ختم ہو جائے۔ حالانکہ تراویح رمضان کی آخری رات تک پڑھنا سُنّتِ مؤکدہ ہے اور ختم قرآن مستقل سُنّت ہے۔

(۶) بعض مساجد میں نابالغ کے پیچھے نماز تراویح پڑھ لیتے ہیں، اور حضرت امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے مسلک پر ہونے کے بھی مدّعی ہیں، حالانکہ حنفی مذہب میں نابالغ کی اقتدار میں فرض، سُنّت، نفل کچھ جائز نہیں۔

(۷) ختم کے دن برقی قمقموں اور رنگ برنگ کی لمبی لمبی لائٹوں سے مساجد کی سجاوٹ کی جاتی ہے، اور انوارِ قرآنی سے منوّر ہونے کی فکر سے زیادہ برقی روشنی کی چمک دمک میں آنکھیں خیرہ کر دی جاتی ہیں اور بجلی کی دیکھ بھال کے باعث منتظمین مسجد اس رات کو نماز باجماعت بلکہ پوری یا آدھی تراویح کی شرکت سے بھی محروم ہو جاتے ہیں، بھلا قلوب کو منور کرنے والے انوارِ قرآنیہ کے سامنے اس ظاہری آرائش کی کیا ضرورت ہے۔ محققین کے نزدیک یہ سب اسراف اور فضول خرچی ہے جس کے لیے شریعت میں وعیدیں آئی ہیں۔

(۸) مشروط یا معروف طریقہ پر تراویح میں قرآن مجید سُنانے والے حفاظ کو خدمت کے نام سے رقم دی جاتی ہے، جس کا لینا دینا ناجائز ہے۔

(بقیہ: بر ص ۴۳)

(۲) ایک رواج یہ ہے کہ افطار کی دعوتیں دی جاتی ہیں اور جب سے کمسن بچوں سے روزہ رکھاکر ریاکاری کا سلسلہ چلاہے اُس وقت سے ان دعوتوں کا رواج اور زیادہ زور پکڑ گیا ہے، دعوت و ضیافت تو اچھا کام ہے مگر اس کے ساتھ یہ جو مصیبت کھڑی ہوگئی ہے کہ افطار کرتے کرتے نماز مغرب بالکل چھوڑ دیتے ہیں یا جماعت ترک کر دیتے ہیں۔ یہ ایک عظیم خسارہ ہے۔ اگر دعوت نہ ہوتی تو جماعت کی نماز مسجد میں پڑھتے اور ۲۷ نمازوں کا ثواب پاتے، مگر دعوت نے یہ سب ثواب ضائع کر دیا۔ کیا مزا رہا جب دعوتِ انسانی کی وجہ سے دعوتِ رحمانی کی شرکت سے محرومی ہوگئی جس کی طرف حیّ علی الفلاح کے ذریعہ منادیِ ربانی نے بُلایا تھا۔ بعض حضرات بالکل تو جماعت ترک نہیں کرتے بلکہ افطاری کے بعد بے نمازی بلکہ بے روزہ دار مہمانوں کو چھوڑ کر مسجد میں پہنچ کر ایک دو رکعت پالیتے ہیں۔ ان میں وہ حضرات بھی ہوتے ہیں جو دوسرے مہینوں میں صفِ اوّل اور تکبیر اولیٰ کا ناغہ نہیں ہونے دیتے مگر رمضان جیسے مبارک ماہ میں جو ازدیادِ حسنات کا مہینہ ہے۔ صفِ اوّل اور تکبیر اولیٰ کے عظیم ثواب کو افطاری کی نذر کر دیتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ سمجھ دے اور ہاں بعض ضیافتوں میں مولوی حافظ قاری حضرات موجود ہوتے ہیں یہ صاحبِ دعوت ہی کے گھر میں جماعت کی نماز پڑھا دیتے ہیں۔ جماعت کا ثواب تو مل جاتا ہے مگر دو باتیں اس میں بھی قابلِ توجہ ضرور ہیں، ایک تو وہی بات جو ابھی عرض کی گئی کہ جس ماہ میں زیادہ نیکیوں کی طرف متوجہ ہونے کی ضرورت ہے اس میں بڑی جماعت کی شرکت چھوڑی اور مسجد جانے پر جو ہر قدم پر نیکی لکھی جاتی ہے اس سے محروم ہوئے۔ دوسرے یہ کہ مسجد کی جماعت چھوڑ کر گھروں میں چھوٹی چھوٹی جماعتیں کرنا شریعت کے مزاج کے خلاف ہے اور سُنّتِ نبویہ (علی صاحبہا الصلوٰۃ والتحیۃ) کے ساتھ بالکل اس کا جوڑ نہیں بیٹھتا، ہر نیک کام کی رفعت و بلندی کا معیار سُنّت کے مطابق ہونا ہے۔ تھوڑا تھوڑا ہٹنے سے آگے چل کر بہت زیادہ ہٹ جاتے ہیں۔ بہت سی بدعتوں نے اسی طرح رواج پایا ہے۔

شاید کوئی صاحب یہ خیال فرمائیں کہ دعوت جیسی نیکی سے روکا جا رہا ہے۔ حالانکہ یہ سُنّت کا کام ہے سُنّت ہونے میں کیا شک ہے، مگر نماز باجماعت مسجد میں ادا کرنا کیا سُنّت نہیں ہے؟ ضرور سُنّت ہے، اور بہت بڑی سُنّت ہے۔ اس کو ترک نہ کرو اور دعوت بھی خُوب کھاؤ جس کا طریقہ یہ ہے کہ صاحبِ دعوت سے کھجوریں لے کر افطار کرلیں اور نماز باجماعت مسجد میں ادا کریں اور نماز سے فارغ ہو کر اچھی طرح ماحضر نوش جان فرمالیں۔

بات یہ ہے کہ شریعت کی پاسداری ملحوظِ خاطر ہو تو ہر بات کا دھیان، چونکہ دُنیا داری کے اُصول

منظور احمد بڈھولی

# زبان ورنگ ونسلی امتیاز قرآن وحدیث کے آئینہ میں

اَلحمدللہ رب العٰلمین والصّلوۃ والسّلام علیٰ خاتم الانبیاء۔ والمرسلین وعلیٰ آلِہٖ وصحبہٖ اجمعین۔ امّا بعد فاعوذ باللہ من الشیطٰنِ الرّجیم۔ بسمِ اللہ الرّحمٰن الرحیم۔ وَمِنْ اٰیٰتِہٖ اَنْ خَلَقَکُمْ مِّنْ تُرَابٍ ثُمَّ اِذَآ اَنْتُمْ بَشَرٌ تَنْتَشِرُوْنَ وَمِنْ اٰیٰتِہٖ خَلْقُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَاخْتِلَافُ اَلْسِنَتِکُمْ وَاَلْوَانِکُمْ اِنَّ فِیْ ذَالِکَ لَاٰیٰتٍ لِّلْعٰلِمِیْنَ۔ (الروم)

ترجمہ: اور اس کی نشانیوں میں سے یہ ہے کہ تم کو مٹی سے بنایا۔ پھر اب تم انسان ہو۔ پھیل پڑے اور اُس کی نشانیوں میں سے ہے آسمان زمین کا بنانا، اور بھانت بھانت بولیاں تمہاری اور رنگ، اس میں بہت پتے ہیں بُوجھنے والوں کو

تمام تعریفیں خالقِ کائنات کے لیے ہیں۔ کائنات کا تمام نظام اسی کی مرہونِ منت ہے اس نے انسان کی بقاء اور اس کی ابدی کامیابی کے لیے دُنیا والوں کو اسلام جیسا دینِ فطرت عطا کیا ہے۔ جس انسان نے خالقِ کائنات کے پیش کردہ نظامِ حیات کو قبول کر لیا تو ایسا انسان ہمیشہ کے لیے کامرانیوں سے ہمکنار ہُوا۔

ان آیاتِ کریمہ کا تعلّق نوعِ انسان کی تخلیق اوّل کے بارے میں ہے۔ خالقِ کائنات نے انسان جیسی اشرف المخلوقات پیدا فرمائی ہے۔ انسان کو دُنیا میں تنہا نہیں چھوڑا ہے۔ اس کی ابدی کامیابی کے لیے ہر دَور میں اپنے پیارے بندوں کو مبعوث فرمایا ہے تاکہ اس کے بندے اپنے اصلی سبق کو نہ بھول جائیں۔

دُنیا کے اندر بے شمار زبانیں بولی جاتی ہیں اور اسی طرح ہزاروں لاکھوں بلکہ بے شمار تعداد میں رنگ ونسل کے

لوگ آباد ہیں اور یُوں دُنیا چمک دمک رہی ہے۔

آج سے چودہ سو سال پہلے انسان زبان، نسل، قوم اور رنگ کے امتیاز کی بناء پر۔ایک دوسرے پر اپنی فوقیت جتلاتا تھا۔اُونچی نسل اور نسب والا انسان نیچی نسل اور نسب والے کے ساتھ شادی بیاہ تو در کنار ایک ہی محفل میں بیٹھنا بھی برداشت نہیں کرتا تھا۔لوگ زبان رنگ و نسل کی بناء پر شیخیاں مارتے تھے۔ عرب والے زبان کی بناء پر عجمیوں پر اپنی فوقیت جتلاتے تھے۔تمام معاشرہ ذہنی اختراعات کا شکار تھا، ان حالات میں رسول ہاشمی صلی اللہ علیہ وسلم خُدا کی طرف سے آفاقی پروگرام لے کر دُنیا میں آئے اور انسان کے مصنوعی رنگ و نسل۔اور زبان کے امتیاز کو یکسر ختم کر دیا اور آپ نے آخری خُطبہ میں فرمایا کہ عربی کو عجمی پر فوقیت نہیں ہے اور نہ عجمی کو عربی پر مگر تقویٰ کی بناء پر۔

اور اسی خُطبہ مُبارکہ میں آپؐ نے فرمایا کہ کالے اور گورے میں کوئی فرق نہیں۔اس طرح آپؐ نے رنگ و نسل کے امتیاز کو ختم کر دیا اور تمام لوگوں کو توحید پر جمع کر دیا۔دُنیا کے بعض خطوں خاص کر یورپی ممالک میں لوگوں کا اتحاد کہیں زبان کی بناء پر ہے اور کہیں نسل و رنگ کی بناء پر ہے۔انگریزی زبان بولنے والے انگریزی زبان کی وجہ سے ایک دوسرے کے ساتھ مل کر اتحاد کا مظاہرہ کرتے ہیں۔مغربی ممالک میں گورے اور کالے کا چکر ہے، جو حقوق گوروں کو حاصل ہیں وہ کالوں کو حاصل نہیں ہیں۔مغربی ممالک نے انہی اختراعات کو مُسلمانوں کے اندر بھی ٹھونس دیا۔اغیار اور طاغوتی طاقتوں نے مُسلمانوں کو پاش پاش کرنے اور اُن کا شیرازہ بکھیرنے کے لیے دورِ جاہلیت کی جتنی رسمیں اور امتیازات تھے۔خُوب صُورت پھول کی طرح پیش کیے۔دُشمنِ اسلام نے ہر دَور میں سازش کر کے کہیں نسل کی بناء پر اور کہیں زبان کی بناء پر مُسلمانوں کو آپس میں لڑایا۔اور خود تماشائی بن کر نظارہ کرتے رہے۔ایک زمانہ تھا کہ دُنیا کے اندر مُسلمانوں کا سکہ چلتا تھا، لیکن ان مغربی طاقتوں نے تُرک جیسے ملک کو تباہ و برباد کر دیا ایرانیوں اور ترکوں کے مابین جھگڑا پیدا کر کے ان کی مرکزی طاقت کو ختم کر دیا، لیکن مُسلمانوں نے نقصان اُٹھا کر بھی غیروں کی تقلید نہ چھوڑی۔غیروں کی دیکھا دیکھی عالمِ اسلام کا مُسلمان بھی زبان نسل اور رنگ کی بناء پر فخر کرنے لگا۔اور وہ اسلام کے خلاف وہ سب کچھ کر بیٹھا جس کی غیروں سے بھی اُمّید نہ تھی اور مُسلمان بیچارہ دَر دَر کی ٹھوکریں کھانے لگا۔نسلی امتیاز اور رنگ و نسل کے امتیاز کی بناء پر وہ آئے دن کبھی امریکہ کے دَر پر جُھکا اور کبھی رُوس کے دَر پر۔اور بات یہاں تک پہنچ گئی کہ رنگ و نسل کے امتیاز کی وجہ سے انسان اپنے حقوق کی پاسداری کرنے لگا اور آئے دن دوسرے مُسلمان کے حقوق پر ڈاکہ ڈالنے لگا اور مُسلمان مُسلمان کا گلا گھونٹنے لگا۔ان سب باتوں کی وجہ یہ ہے کہ ہم نے قرآن مجید کے آفاقی سبق

کو بُھلا دیا۔ ہمارے اسلاف نے قرآن مجید سے درسِ عبرت حاصل کیا تو وہ دُنیا کے اندر عظیم رہے اور سرخرو ہوئے چاہیے تو یہ تھا کہ ہم بھی اسلاف کی طرح قرآنی درس پر عمل کرتے تو دُنیا کے اندر بھی سرخروئی حاصل کرتے اور آخرت کے اندر بھی سرخروئی نصیب ہوتی۔ خداوند تعالیٰ نے ہمیں قرآن جیسی عظیم کتاب عطا کی ہے جو کہ مکمل ضابطۂ حیات ہے وہ زندگی کے کسی شعبہ کو خواہ وہ معاشرتی ہو، معاشی ہو، تشنہ لب نہیں چھوڑتا۔ مکمل اور پُوری رہنمائی کرتا ہے کیونکہ اسلام ایک آفاقی نظامِ حیات ہے اور اس میں آفاقیت ہے۔

آئیے ذرا ہم درج بالا قرآنی آیات پر غور کریں اور دیکھیں کہ قرآن مجید ہمیں کس حد تک زبان، نسل اور رنگ کے امتیاز کی اجازت دیتا ہے۔ جیسا کہ آیاتِ قرآنیہ سے پتہ چلتا ہے کہ نوعِ انسانی کو مٹی سے پیدا کر کے دُنیا کے تمام خطوں میں پھیلا دیا۔ نوعِ انسانی کو مٹی سے پیدا کرنا خالق کائنات کی نشانیوں میں سے ایک نشانی ہے۔

قرآن مجید میں جہاں کہیں لفظ آیت کا آیا ہے۔ اس کے مختلف معانی ہوتے ہیں۔ لفظ آیت کے معانی عبرت اور نصیحت حاصل کرنے کے بھی ہوتے ہیں۔ یہاں بھی لفظ آیت بمعنی عبرت اور غور و فکر کے ہے۔ مذکورہ آیت سے یہ بات اظہر من الشمس ہو جاتی ہے کہ تمام کائنات کے انسانوں کی تخلیق مٹی سے ہُوئی ہے۔

آئیے ذرا لفظ تُراب پر غور و فکر کریں۔ تراب کے معنی مٹی کے ہوتے ہیں۔ یعنی اللہ تعالیٰ نے تمام لوگوں کو مٹی سے پیدا کیا۔ خالقِ کائنات نے یہ نہیں فرمایا کہ عرب والوں کو سونے سے پیدا کیا۔ امریکہ کے لوگوں کی تخلیق چاندی سے ہُوئی اور ایشیا کے لوگوں کو مٹی سے پیدا کیا۔ ایسا ہرگز نہیں بلکہ لفظِ تراب مذکور ہے جس کے معنی مطلق مٹی کے ہوتے ہیں۔ یعنی ہر جنس کے لوگوں کو مٹی سے پیدا کر کے کائنات کے بیشتر حصّوں میں پھیلا دیا۔ اس آیتِ کریمہ میں نسلی تفاوت کی بیخ کنی کی گئی ہے اور اُن لوگوں پر کاری ضرب لگائی گئی ہے۔ جو معاشرے کے اندر نسلی تفاوت کا بازار گرم کیے ہُوئے ہیں۔ اب کوئی نسلی تفاوت جتائے تو یہ اس کی بیوقوفی ہے اور محض ذہنی اختراع ہے اور ایسا شخص راہِ راست سے بھٹکا ہُوا ہے اور جو شخص ایسے آدمی کی بات کو تسلیم کرے۔ وہ بھی احمق اور اعلیٰ درجے کا بیوقوف ہے۔

اگلی آیت کریمہ میں آسمان و زمین کی تخلیق اختلاف اَلْسِنَہ وَاَلْوَان ان مذکورہ چیزوں میں عالمین کے لیے نشانیاں ہیں۔ واقعی ان اشیاء میں انسان کے لیے درسِ عبرت ہے اور انسان یہ سوچنے پر مجبور ہو جاتا ہے کہ کوئی ایسی ہستی ہے کہ جس نے آسمان کو بغیر کھمبوں کے تھامے ہُوئے بنایا ہے اور اس کے ساتھ ہی خوب صُورت زمین کا جال بچھا دیا ہے۔ اب زمین کی حالت دیکھیں کوئی خطہ سیم و تھور پر مشتمل ہے اور کہیں دلدل کی حالت ہے

زمین کے بعض خطوں سے انگور، انار، ناشپاتیاں اور دُنیا کے لذیذ ترین میوے پیدا ہوتے ہیں اور بعض خطوں کی حالت ایسی ہے کہ صرف گھاس اور جنگلی بوٹیوں کے سوا اور کچھ حاصل نہیں ہوتا۔ اب اگر ایک زمین کو دوسری زمین پر ترجیح دیں گے۔ تو صرف خصوصیات کی بناء پر نہ کہ نفسِ زمین ہونے کے ناطے۔ اسی طرح اگر ایک انسان خواہ کوئی بھی ہو دُنیا کے کسی بھی علاقے سے تعلق رکھتا ہو۔ اگر وہ اچھی خصوصیات والا انسان ہے تو ایسے شخص کو بلا امتیاز رنگ و نسل دوسرے اشخاص پر ترجیح دیں گے، لیکن ہم بھی عجیب لوگ ہیں کہ ایک ایسا شخص جو ہماری اپنی زبان کا ہو ہم جیسا ہو۔ خواہ اس میں ہر قسم کی بُرائیاں موجود ہوں، لیکن ہم پھر بھی ایسے شخص کو ایک اچھے خاصے متقی پر ترجیح دینے کے لیے تیار ہیں۔ کیونکہ وہ اجنبی ہے۔ ہم اپنایت اور پرایت کے چکر میں مبتلا ہیں۔ اسی آیت مُبارکہ میں مذکور ہے کہ خالقِ کائنات نے دُنیا والوں کے رنگ اور زبانیں مختلف پیدا کی ہیں۔ درحقیقت زبانوں اور رنگ کا ایک دوسرے سے مختلف ہونا۔ اس سے خالقِ کائنات کی صنّاعی اور قدرتِ کاملہ کا ظہور ہوتا ہے کائنات کے اندر انسان مختلف علاقوں میں مختلف قسم کی میٹھی میٹھی بولیاں بولتا ہے اور رنگ رنگ کے انسان دیکھتا ہے، تو انسان حیران ہو جاتا ہے کہ خالقِ کائنات نے کیسی میٹھی میٹھی اور مختلف زبانیں بولنے والے اور مختلف رنگ والے انسان پیدا کیے ہیں۔

دُنیا کے اندر ہر آدمی کا رنگ ایک دوسرے سے مختلف ہوتا ہے۔ حتّٰی کہ ایک ہی ماں باپ کی اولاد کا رنگ ایک دوسرے سے جُدا جُدا ہوتا ہے۔ اسی طرح ہر علاقے اور خطے کی زبان ایک دوسرے سے مختلف ہوتی ہے۔ خُداوند تعالیٰ نے انسان کے اندر ۳۶۰ جوڑ پیدا کیے ہیں۔ جو تمام کے تمام نعمتِ عظمٰی کے مترادف ہیں ان میں کان، آنکھیں، زبان یہ سب نعمتیں ہیں۔ کان سُننے کی وجہ سے نعمت ہیں۔ آنکھیں دیکھنے کی وجہ سے نعمت ہیں۔ زبان بولنے کی وجہ سے نعمت ہے۔ زبان سے انسان مافی الضمیر کا اظہار کر سکتا ہے۔

از روئے قرآن و حدیثِ نبویؐ ہر مُسلمان پر لازم ہے کہ وہ خالق کائنات کی دی ہُوئی نعمتوں کا شکریہ ادا کرے اور اس نعمت کا اکرام کرے، لیکن ہم بجائے اکرام اور شکریہ کے مذکورہ چیزوں کے باعث ایک دوسرے پر فوقیت اور امتیاز جتاتے ہیں۔ خداوند کریم کو یہ قدرت بھی تھی کہ مختلف علاقوں کے خطوں کے رہنے والوں کے رنگ و نسل میں تفاوت فرما دیتے۔ اس سے نوعِ انسانی احساسِ کمتری کا شکار ہو جاتی اور یُوں ہی انسان سوچتے سوچتے اپنی حقیقت کو ہی بھُول جاتا۔ خداوند کریم نے رنگ و نسل اور قوم کی تعریف صرف پہچان تک محدود رکھی ہے۔ جیسا کہ سورۃ الحجرات میں مذکور ہے۔ ترجمہ: اے لوگو ہم نے تم ایک مرد اور ایک

عورت سے پیدا کیا اور تمہاری قومیں اور قبیلے بنا دیے ۔ تاکہ تم ایک دوسرے کو پہچان سکو۔ خداوند کریم نے ہماری سہولت اور آسانی کے لیے دُنیا کے تمام خطوں میں قوموں اور نسلوں کا جال پھیلا دیا۔ تاکہ نوعِ انسانی۔ آپس میں تعلقات کو استوار کر سکے اور اس کے بندوں کو لین دین بود و باش میں آسانی رہے اور یُوں ہی معاشرے کا ڈھانچہ قیام پذیر رہے۔

اختلافِ اَلسِنہ وَاَلوان اس میں ہمارے لیے درس اور عبرت ہے۔ نہ کہ یہ تفاوت اور امتیاز کی چیزیں ہیں۔ مذکورہ چیزوں کی تعریف صرف پہچان تک محدود ہے۔

دُعا ہے کہ خداوند کریم تمام مسلمانوں کو قرآن و حدیث پر عمل پیرا رکھے۔ آمین

بقیہ: ماہ مبارک

(۹) مسجد کی سجاوٹ اور مٹھائی نیز حافظ صاحب کو دینے کے لیے چندہ کیا جاتا ہے جو بہت سے حضرات خوشدِلی سے نہیں بلکہ محلہ کے بڑے لوگوں کا مُنہ دیکھ کر دیتے ہیں اور وفد جانے کے دباؤ سے جیب میں ہاتھ ڈالتے ہیں۔ حالانکہ جب تک طیبِ نفس سے نہ دیا جائے اس وقت تک کسی کا ایک پیسہ لینا بھی حلال نہیں ہوتا، اگر کسی ضرورت سے چندہ کرنا ہو تو صرف ضرورت سامنے رکھ دیں پھر جس کا جی چاہے خود سے دے یا نہ دے۔ وفد بنا کر جانا زور ڈالنے کے لیے ہوتا ہے جو شرعاً صحیح نہیں۔

(۱۰) عموماً اکثر مساجد میں اعتکاف کے لیے کوئی نہیں بیٹھتا، حالانکہ رمضان کے آخر عشرہ کا اعتکاف سُنّتِ مؤکدہ علی الکفایہ ہے، کوئی بھی نہ کرے گا تو سب گنہگار ہوں گے۔ بعض جگہ اپاہج قِسم کے لوگوں کو روٹی کپڑے کا لالچ دے کر اعتکاف میں بٹھا دیتے ہیں اور یہ لوگ اکثر مسائل سے بھی واقف نہیں ہوتے اور یہ بھی پتہ نہیں ہوتا کہ اعتکاف مسجد سے باہر رہنے سے فاسد ہو جاتا ہے۔ اور ایسے لوگوں کو اس لیے انتخاب کرتے ہیں کہ مال و دولت والے حضرات مسجد میں دس دِن گزارنے کو کسرِ شان سمجھتے ہیں یا دُنیاوی مشغولیتوں کو اللہ کے گھر میں رہنے سے زیادہ اہمیّت دیتے ہیں۔ یہ حُبِّ دُنیا ہے۔

(۱۱) شبینوں میں یا تہجّد کے وقت بعض مساجد یا خانقاہوں میں نوافل کی جماعتیں ہوتی ہیں، حالانکہ غیر فرائض کی جماعت مکروہ تحریمی ہے۔ البتہ اگر صرف دو تین مقتدی ہوں تو گنجائش ہے۔ لہٰذا نوافل باجماعت نہ پڑھیں، اگر شبینہ کرنا ہو تو تراویح میں پڑھیں، بشرطیکہ سب توجّہ سے سُنیں، قرآن کی طرف سے بے التفاتی نہ ہو اور ضعیفوں کی رعایت بھی ضروری ہے۔ ان کے لیے چھوٹی سورتوں سے پہلے تراویح پڑھا دیں۔

و باللہ التوفیق

جناب ڈاکٹر محمود الحسن عارف ( قسط: ۲ )

# تا بفلکِ خنجراب

○

## شمالی علاقوں کا سفرنامہ

○

### ائیر پورٹ پر نئی آفت

جب ہم علی الصبح ائیرپورٹ پہنچے تو وہاں ایک نیا مسئلہ پیدا ہوگیا ہوا یہ کہ جب ہم نے اپنے ٹکٹ بورڈنگ کارڈ کے لیے پیش کیے تو معلوم ہوا کہ مسافروں کی کنفرم شدہ فہرست میں اس قافلہ یاراں میں سے ایک فرد کا نام نہیں ہے۔ وہ فرد یہ خاکسار تھا۔ مجھے بہت حیرت ہوئی کہ نہ جانے کا قرعۂ فال میرے نام کیسے نکل آیا ہے غالباً اس بزمِ یاراں میں یہ خاکسار ہی غیر تھا۔

کہا جو میں نے کہ بزم چاہیے غیر سے تہی
ستمگر نے مجھ کو اُٹھا دیا کہ یوں

اس دن معلوم ہوا کہ بے خبری بھی اللہ تعالیٰ کی کتنی بڑی نعمت ہے کہ ادھر احباب پر قیامت گزر رہی تھی اور اُدھر ہم بڑے آسودہ اور خوشگوار تصوّرات میں ڈوبے ہوئے تھے۔ ہمیں اس وقت علم ہوا جب مسئلہ حل ہونے کے قریب تھا۔ مسئلہ صاف اور واضح تھا، خاکسار کے ٹکٹ پر ری کنفرمیشن کی چِٹ اور نمبر موجود تھا، مگر متعلقہ شخص کی غلطی سے ائیر پورٹ پر موجود فہرست مسافران میں خاکسار کا نام شامل نہ تھا۔ اس میں میرا تو کوئی قصور نہ تھا۔ یہ ڈیپارٹمنٹ کی غلطی تھی، مگر ڈیپارٹمنٹ اپنی غلطی ماننے کے لیے تیّار نہ تھا۔

ہماری تاریخ کا سب سے بڑا المیہ یہ ہے کہ ہم میں سے ہر شخص اپنی غلطی کو دوسروں کے سر مونڈ کر خود کو بری الذّمہ سمجھتا ہے، اس کا علاج علّامہ اقبال نے نظر تجویز کیا ہے۔

خرد کے پاس خبر کے سوا کچھ نہیں
تیرا علاج نظر کے سوا کچھ نہیں

قریباً آدھ پون گھنٹے کی بحث و تمحیص کے بعد، ڈیپارٹمنٹ نے اپنی غلطی تسلیم نہیں کی، لیکن خاکسار کو بورڈنگ کارڈ تھما دیا۔

مریدِ سادہ تو رو رو کے ہو گیا تائب
خدا کرے کہ ملے شیخ کو بھی یہ توفیق

## جہاز کی روانگی

سکردو کو جانے والی فلائٹ کا مقرّرہ وقت ۳۰-۶ تھا۔ ہمارا قافلہ ۲۵-۶ پر ہوائی جہاز میں داخل ہُوا، اس وقت جہاز ہمارا ہی منتظر تھا۔ جیسے ہی ہم جہاز میں بیٹھے روانگی کا اعلان ہوگیا۔ تقریباً ۴۵-۶ پر جہاز فضا میں پرواز کر رہا تھا

راولپنڈی سے سکردو تک پہنچنے میں تقریباً ۴۵ منٹ لگتے ہیں جبکہ سڑک کے راستے سے یہی سفر ۲۲ گھنٹے میں طے ہوتا ہے۔ صوفیہ نے جذب اور سلوک میں یہی فرق بیان کیا ہے کہ جذب محض ایک جست ہے اور سلوک، پیدل سفر، بقول علاّمہ اقبال:

عشق کی ایک جست نے طے کر دیا قصہ تمام
اس زمین و آسمان کو بیکراں سمجھا تھا میں

خوش قسمتی سے مجھے دائیں جانب کھڑکی کے پاس جگہ ملی اور میرے برابر میں قبلہ شاہ صاحب تشریف فرما تھے۔ باقی احباب پچھلی سیٹوں پر براجمان تھے۔

لگ بھگ دس منٹ کے سفر کے بعد ہمارا فضائی سفر پہاڑی علاقے پر شروع ہوگیا۔ شروع میں چھوٹی چھوٹی پہاڑیاں آئیں، اس کے بعد، اس سے بڑی اور پھر سلسلۂ کوہِ ہمالیہ کا وہ عظیم سلسلہ شروع ہو گیا جو دُنیا کے بلند ترین سلسلہ ہائے کوہ میں شمار کیا جاتا ہے۔

آنکھوں کے سامنے تاحدّ نگاہ اُونچی اُونچی چوٹیاں پھیلی ہُوئی تھیں جن کی چوٹیاں برف سے ڈھکی ہوئی تھیں۔ یہ چوٹیاں آسمان کے سامنے سینہ تانے یُوں کھڑی تھیں جیسے گویا آسمان سے باتیں کر رہی ہوں، اس وقت

اقبال کا یہ شعر یاد آرہا تھا۔

پھول ہیں صحرا میں یا پریاں قطار اندر قطار
اودے اودے نیلے نیلے پیلے پیلے پیرہن

اس وقت قرآن کریم کی وہ آیت آنکھوں کے سامنے آرہی تھی

وَ اِلَی الْجِبَالِ کَیْفَ نُصِبَتْ (الغاشیہ) کیا انھوں نے پہاڑوں کو نہیں دیکھا کہ وہ کیسے گاڑھے گئے ہیں۔

ایک اور جگہ ارشاد فرمایا۔

وَالْجِبَالَ اَوْتَادًا اور ہم نے پہاڑوں کو میخیں بنایا

یوں تو پہاڑوں کے بے شمار فوائد ہیں، مگر قرآن کریم نے جن دو فوائد کی جانب اشارہ کیا ہے اتنے واضح اور صاف ہیں کہ ان کے لیے کسی گہرے غور وخوض اور تدبّر و تفکّر کی ضرورت نہیں ہے۔ ان میں سے ایک فائدہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی عظمت وقدرت کا نشان ہیں۔

دوسرا فائدہ یہ ہے کہ یہ زمین کی میخیں ہیں۔ گویا ان کے ذریعے زمین کو ادھر اُدھر ہونے سے روک دیا گیا ہے۔ قبلہ شاہ صاحب اس موضوع پر گفتگو فرما رہے تھے اور میں ہمہ تن گوش تھا۔ شاہ صاحب نے فرمایا : اگر ساری دُنیا مل کر بھی کسی ایک پہاڑ کو اُٹھانا چاہے تو نہیں اُٹھا سکتی۔ بنانا تو دُور کی بات ہے۔ اس سے بڑھ کر قدرت والے کی قدرت کی اور کیا نشانی ہوسکتی ہے۔ اس موقع پر آپ نے اپنی یہ رباعی سُنائی۔

دریا جو بہہ رہا ہے سبحان تیری قدرت ہر قطرہ کہہ رہا ہے سبحان تیری قدرت
جو بار اُٹھا سکے نہ، ارض و جبال و افلاک انسان سہہ رہا ہے، سبحان تیری قدرت

اسی اثناء میں جہاز میں کپتان صاحب نے اعلان کیا کہ ہمارا جہاز ٹھیک پانچ منٹ کے بعد دُنیا کی بڑی چوٹیوں میں شامل بڑی چوٹی نانگا پربت اونچائی ۷۹۹۰ میٹر کے سامنے سے گزرے گا، چنانچہ ٹھیک پانچ منٹ کے بعد ہم اس پہاڑی کے سامنے تھے۔ یہ عظیم الشان پہاڑ سفید لباس پہنے باقی پہاڑوں کے سامنے اس طرح نظر آتا تھا جیسے بھیڑوں کے ریوڑ میں کوئی اُونٹ یا جیسے چھوٹے چھوٹے ٹیلوں کے پاس کوئی بڑا پہاڑ۔

ٹھیک ۷-۳۰ منٹ پر ہمارا جہاز سکردو کے اُوپر پرواز کر رہا تھا۔ سکردو کا ہوائی اڈا موجودہ سکردو شہر سے ۹ کیلو میٹر کے فاصلے پر، دریائے سندھ کے بالکل کنارے پر واقع ہے۔ اس خُوب صُورت وادی کا فضائی سروے بڑا خوشگوار اور خُوب صُورت نظارہ تھا۔

## سکردو کا قیام

مؤرخہ ۴ جولائی کو صبح ساڑھے سات بجے ہم سکردو ایئرپورٹ پر اُتر چکے تھے۔ ہمارے میزبانوں کو چونکہ پہلے سے اطلاع تھی، لہٰذا وہ تین گاڑیوں کا بندوبست کر کے ہوائی اڈے پر ہمارے منتظر تھے۔ یہاں بھی ایئر پورٹ پر راولپنڈی کی طرح بدنظمی کا مظاہرہ دیکھنے میں آیا جواب ہماری قومی روایت بن چکی ہے۔ مسافروں کے سامان کو وہاں تک پہنچنے میں تقریباً ایک گھنٹہ لگا۔ اس ایک گھنٹہ میں ہم آس پاس کے پہاڑوں کو دیکھنے کے علاوہ ایئرپورٹ کے باہر کی جانب واقع لان میں بادام کے درختوں اور اُن پر لگے ہوئے خام باداموں کو دیکھتے رہے۔

بقیہ: مسائل زکوٰۃ

جواب: عُشر کے معنی ہیں دسواں۔ پیداوار پر جو زکوٰۃ ہوتی ہے۔ اس کے قاعدے الگ ہیں اور نام بھی الگ ہیں۔ اگر زمین بارانی ہے یا نہر سے پانی دیا جاتا ہے تو اُس میں عُشر یعنی دسواں حصّہ خُدا کے نام پر مصارف زکوٰۃ میں دیا جائے گا اور ایسی زمین عُشری کہلائے گی۔ اور اگر رہٹ وغیرہ سے آبپاشی ہوتی ہے تو اس میں بیسواں حصّہ نکالا جائے گا۔

### صدقۂ فطر

صدقہ فطر ہر اس مسلمان پر واجب ہے جس پر زکوٰۃ فرض ہے یا زکوٰۃ تو فرض نہیں، لیکن نصاب کی برابر قیمت کا اور کوئی مال اس کی حاجاتِ اصلیہ سے زائد اس کے پاس ہے چاہے اس نے روزے رکھے ہوں یا نہ رکھے ہوں۔

صدقہ فطر نابالغ اولاد کی طرف سے بھی دیا جائے گا۔ اگر نابالغ اولاد خود مالدار ہو تو باپ کے ذمہ نہیں بلکہ ان ہی کے مال میں سے باپ اُن کی طرف سے صدقہ ادا کر دے۔

یہ صدقہ عید کے دن صُبح صادق ہوتے ہی واجب ہو جاتا ہے۔ اگر کسی نے عید سے پہلے رمضان میں صدقہ دے دیا تو بھی ادا ہو جائے گا۔

صدقہ فطر فی کس پونے دو سیر (احتیاطاً پورے دو سیر) گیہوں یا اتنے گیہوں کی قیمت دی جائے۔
صدقہ فطر ان لوگوں کو دیا جائے گا جنہیں زکوٰۃ دی جاتی ہے۔ جنہیں زکوٰۃ نہیں دی جا سکتی انہیں صدقہ بھی نہیں دیا جا سکتا۔

قسط ۱۵

مضامینِ علمیہ

# تحفۂ اصلاحی

حضرت مولانا ڈاکٹر عبدالواحد صاحب فاضل و مدرس جامعہ مدنیہ

امین احسن اصلاحی صاحب نے اپنی تفسیر "تدبّر القرآن" کے علاوہ اُصولِ تفسیر میں "مبادی تدبّر قرآن" اور اُصولِ حدیث میں "مبادی تدبّرِ حدیث" بھی لکھی ہیں۔ اصلاحی صاحب کے مبادی اس بات کا کھلا ثبوت ہیں کہ ع

ہُوئے تم دوست جس کے دشمن اس کا آسماں کیوں ہو

اپنے سلسلہ مبادی میں اُنہوں نے جو گل افشانیاں کی ہیں وہ مدلّل ابطال اور احقاقِ حق کے ساتھ ہدیۂ قارئین ہیں۔ دُعا ہے اللہ تعالےٰ اس کو اصلاحِ احوال کا ذریعہ بنائے آمین

(۱۱) قرآن پاک میں احکامِ رمضان کے بیان میں ہے ایاماً معدودات فمن کان منکم مریضا او علیٰ سفر فعدة من ایام اخر و علی الذین یطیقونه فدیة طعام مسکین

یطیقونه کی ضمیر میں اکثر مفسرین کا قول ہے کہ اس کا مرجع صوم ہے جبکہ اصلاحی صاحب اس کا مرجع طعام بتاتے ہیں۔

اصلاحی صاحب تدبر قرآن میں لکھتے ہیں۔

"وعلی الذین یطیقونه فدیة طعام مسکین کا مطلب عام طور پر لوگوں نے یہ لیا ہے کہ شروع شروع میں جب روزوں کا حکم نازل ہُوا تو چونکہ اہلِ عرب اس سخت عبادت کے عادی نہیں تھے۔ اس وجہ سے اُن کی آسانی کے لیے یہ گنجائش رکھی گئی کہ جو شخص روزہ رکھنے کی قدرت کے باوجود روزہ نہ رکھنا چاہے وہ ایک روزہ کے بدلے ایک مسکین کو کھانا کھلا دے۔ بعد میں یہ اجازت منسوخ کر دی گئی۔ لیکن یہ تاویل

کسی طرح بھی صحیح معلوم نہیں ہوتی۔

اوّل تو روزے کی فرضیت کیا ہوئی جبکہ اس بات کی کھلی اجازت موجود تھی کہ کوئی شخص چاہے تو روزے رکھے نہ چاہے تو نہ رکھے، اس کی جگہ ایک مسکین کو کھانا کھلا دے۔ اگر روزے کے ابتدائی حکم کی نوعیّت یہ تھی تو کتب علیکم الصیام (تم پر روزے فرض کیے گئے) کا ٹکڑا بالکل غیر ضروری سا ہوجاتا ہے۔ کیونکہ اس صورت میں اس کی فرضیت بالکل بے اثر ہوکر رہ جاتی ہے۔

دوسری یہ کہ کس قدر عجیب و غریب بات ہے کہ ایک طرف تو مریض اور مسافر دونوں کے لیے دوسرے دنوں میں اپنے قضا کیے ہوئے روزوں کی تعداد روزے رکھ کر پورے کرنے کا حکم ہو جیسا کہ فمن کان منکم مریضًا او علی سفر فعدۃ من ایام اُخر کے الفاظ سے واضح ہے اور دوسری طرف یہ آزادی ہو کہ جو شخص چاہے روزے رکھے اور جو شخص چاہے مقدرت کے باوجود نہ رکھے صرف ایک مسکین کو کھانا کھلادے"۔ (تدبر قرآن، ص ۴۰۳ ج ۱)

"لیکن اس کا مرجع صوم نہیں بلکہ طعام ہے جس کا ذکر آگے آرہا ہے۔ یہ تاویل ہمارے پچھلے اہلِ تاویل میں سے بعض لوگوں نے لی ہے"۔ (ص: ۴۰۳، ج:۱)

اصلاحی صاحب نے جمہور مفسّرین کی تاویل کے صحیح نہ ہونے کی جو دو وجہیں ذکر کی ہیں ان کا جواب علی الترتیب حسب ذیل ہے۔

۱۔ جمہور مفسرین کی تاویل کی رو سے بھی روزے کی فرضیت برقرار ہے، البتّہ شروع میں یہ سہولت دے دی کہ اس فرضیّت کو یا تو روزے ہی رکھ کر ادا کر دیا یا اس کا بدل ایک مسکین کے کھانے کا فدیہ دے کر، آخر فدیہ کو روزے ہی کا تو بدل بنایا اور بدل مبدل منہ کے حکم میں ہوتا ہے۔ لہٰذا بدل ادا کرنا گویا مبدل منہ ادا کرنا ہے۔ پس اصلاحی صاحب کا یہ کہنا کہ اس صورت میں اس کی فرضیت بالکل بے اثر ہوکر رہ جاتی ہے، خود بے وزن و بے اثر بات ہے

۲۔ روزے کی طاقت رکھنے (یطیقونہ) والوں سے مُراد وہ لوگ ہیں جو طاقت نہ رکھنے والوں کی ضد ہیں اور طاقت نہ رکھنے والوں سے شیخ فانی وغیرہ مُراد ہیں۔ اصلاحی صاحب نے ان کو مریض اور مسافر کی ضد سمجھ لیا جو کہ صریح طور پر غلط بات ہے کیونکہ مسافر میں روزہ رکھنے کی طاقت ہوتی ہے، ہاں البتّہ مشقّت کی بناء پر اس کو روزہ قضا کرنے کی رُخصت دی گئی۔ اسی طرح بہت سے مریضوں میں روزہ رکھنے کی

فی الجملہ طاقت ہوتی ہے، لیکن مشقت کی وجہ سے یا بیماری کے طول کے خوف سے یا بیماری میں اضافہ کے اندیشہ سے اس کو بیماری میں روزہ نہ رکھنے کی رُخصت دی گئی۔

جب یہ بات واضح ہوگئی تو اصلاحی صاحب کا یہ سمجھنا کہ اس طرح تو مریض و مسافر پر تو یقینی اور بلا اختیار طور پر روزے آتے اور تندرست کو اختیار ملا خود کس قدر عجیب و غریب بات ہے

اور جب اصلاحی صاحب کی ذکر کردہ دونوں وجہوں کا جواب ہوگیا، تو ضمیر کا مرجع صوم کو بنانے میں کوئی رکاوٹ نہ رہی۔ لہٰذا اب ضمیر کے مرجع میں دو احتمال سامنے آتے ایک صوم اور دوسرے طعام کلام میں کوئی قطعی دلیل ایسی موجود نہیں کہ جس کی رو سے ایک احتمال متعین ہو جائے اور دوسرا مُراد لینا باطل ہو۔ یہی صُورت ظنی الدلالۃ کی ہے۔

۴/ا۔ سورہ نساء آیت ۱۵۹ میں ہے وان من اھل الکتاب الالیؤمنن بہ قبل موتہ

اصلاحی صاحب لکھتے ہیں "لیؤمنن بہ اور قبل موتہ میں پہلی ضمیر کا مرجع ہمارے نزدیک قرآن مجید ہے اور دوسری کا مرجع آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلّم ہیں"

"یہاں یہ بات یاد رکھنے کی ہے کہ سلف میں سے عکرمہ پہلی ضمیر کا مرجع آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلّم کو مانتے ہیں، لیکن عام طور پر لوگوں نے اس بعد کے سبب سے جو ایک طویل جملہ معترضہ نے پیدا کر دیا ہے۔ اس قول کو اہمیت نہیں دی، حالانکہ جملہ معترضہ سے جو بعد پیدا ہوتا ہے وہ قابلِ لحاظ نہیں ہوتا۔ ایسی صُورت میں اس سے صرف نظر کرکے سلسلہ کلام کو ملحوظ رکھنا پڑتا ہے۔ (تدبر قرآن ج ۲ ص ۱۹۵)

اس سے صرف نظر کرتے ہوئے کہ جمہور مفسّرین کیا کہتے ہیں، ہم یہاں یہ دکھانا چاہتے ہیں کہ خود اصلاحی صاحب کے نزدیک ان دو ضمیروں کے مرجع میں کم از کم دو احتمالات تو ہیں۔ کیونکہ اُنھوں نے عکرمہ رحمہ اللہ کی رائے کی مدافعت تو کی ہے اس کے غلط ہونے پر کوئی دلیل نہیں دی اور نہ ہی اس کے غلط ہونے کا دعوٰی کیا۔ اور ایک لفظ میں دو احتمالات اسی وقت ہو سکتے ہیں جب کسی ایک معنی پر دلالت قطعی نہ ہو بلکہ ظنی ہو۔ یہی ہمارا مطلوب ہے۔

ان چار مثالوں سے یہ بات بخوبی واضح ہوگئی کہ قرآن پاک کے تمام الفاظ کی دلالت اپنے معانی پر قطعی نہیں ہے بلکہ بعض الفاظ بشمول ان مذکورہ چار کے ایسے بھی جن کی دلالت اپنے معانی پر ظنی ہے۔ پس معلوم ہُوا کہ جیسے تمام دلائل لفظیہ کو ظنی کہنا غلط ہے اسی طرح تمام دلائل لفظیہ کو قطعی کہنا بھی غلط ہے۔

اصلاحی صاحب کے ذکر کردہ تفسیر کے چار قطعی اُصول یعنی وہ عربی جس میں قرآن نازل ہُوا۔ نظم قرآن کی تفسیر خود قرآن اور سُنّت متواترہ کی روشنی میں بھی جب ہم ان چار مثالوں کو لیتے ہیں تب بھی ہم ان کو مذکورہ احتمالات سے خالی نہیں پاتے

اور جب معاملہ یُوں ہے تو اپنی اپنی ترجیح کے مطابق یہ اختیار ہے کہ دیگر ظنی دلائل کی بناء پر کوئی رائے قائم کریں یا حدیث کی بناء پر البتہ جب کہ حدیث ضعیف نہ ہو تو عقل یہی کہتی ہے کہ دیگر ظنی دلائل پر اس کو ترجیح ہونی چاہیے اور اس سے اصلاحی صاحب کو بھی اختلاف نہ ہوگا۔

اور جب حدیث صحیح کو دیگر دلائل ظنیہ پر ترجیح حاصل ہے تو ثابت ہوگیا کہ ایسے مقامات میں جہاں الفاظ قرآنی کی اپنے معانی پر دلالت ظنی ہے حدیث کو تفسیر کے طور پر لانا طریقِ اولیٰ ہے۔

ہماری ذکر کردہ تفصیل کا خلاصہ توضیح اور تلویح میں بھی موجود ہے۔ صاحب توضیح نے پہلے دلائل لفظیہ کے ظنی ہونے پر ایک دلیل ذکر کی۔

قیل الدلیل اللفظی لا یفید الیقین لانہ مبنی علی نقل اللغۃ والنحو والصرف وعدم الاشتراک والمجاز والاضمار والنقل والتخصیص والتقدیم والتاخیر والناسخ والمعارض العقلی وھی ظنیۃ اما الوجودیات وھی نقل اللغۃ والصرف والنحو فلعدم عصمۃ الرواۃ وعدم التواتر و اما العدمیات وھی من قولہ وعدم الاشتراک الی آخرہ فلان مبناھا علی الاستقراء۔ وھذا باطل ای ما قیل ان الدلیل اللفظی لا یفید الیقین

کہا گیا ہے کہ دلیل لفظی یقین کا فائدہ نہیں دیتی کیونکہ اس کا دارومدار نقلِ لغت، نحو، صرف، عدمِ اشتراک، عدمِ مجاز، عدمِ اضمار، عدمِ نقل و تخصیص، عدمِ تقدیم و تاخیر اور عدمِ معارضِ عقلی پر ہوتا ہے جو خود ظنی ہیں ان میں سے جو وجودی ہیں۔ یعنی نقل لغت، صرف اور نحو اُن کا ظنی ہونا راویوں کے معصوم نہ ہونے اور تواتر کے نہ ہونے کی بناء پر ہے جبکہ جو عدمی ہیں یعنی عدمِ اشتراک سے آخر تک تو اُن کے ظنی ہونے کی وجہ یہ ہے کہ ان کا دارومدار استقراء و تلاش پر ہے۔ یہ قول یعنی یہ کہ دلیل لفظی یقین کا فائدہ نہیں دیتی باطل ہے۔

تلویح میں علّامہ تفتازانی اس کا جواب دیتے ہُوئے لکھتے ہیں۔

وتقریر الجواب انہ ان ارید ان

حاصل جواب یہ ہے کہ اگر مُراد یہ ہے کہ بعض دلائل

| | |
|---|---|
| بعض الدلائل اللفظیۃ غیر قطعیۃ فلا نزاع و ان اریدانہ لا شی منہا بقطعی فالدلیل المذکور لا یفیدہ لانا لا نسلم ان الامور المذکورۃ ظنیۃ فی کل دلیل لفظی | لفظیہ قطعی نہیں ہیں تو اس میں کچھ جھگڑا نہیں ہے اور اگر یہ مراد ہے کہ کوئی بھی دلیل لفظی قطعی نہیں ہے تو ذکر کی ہوئی دلیل سے یہ نتیجہ حاصل نہیں ہوتا کیونکہ ہمیں یہ تسلیم نہیں کہ ہر دلیل لفظی میں یہ امور ظنی ہوتے ہیں۔ |

## ③ اصلاحی صاحب کا تدبّر و تفسیرِ قرآن میں ایک اور قاعدہ

اصلاحی صاحب ایک اور قاعدہ ذکر کرتے ہیں۔

"اب رہا یہ سوال کہ نسخ نہ سہی، لیکن حدیث و سُنّت سے قرآن کے کسی حکم کی تخصیص ہو سکتی ہے یا نہیں ؟ یعنی قرآن کے کسی عام حکم کو حدیث و سُنّت سے خاص کر دیا جائے۔ اس کے جواب میں تھوڑی سی تفصیل ہے۔

(الف) اگر تخصیص کی نوعیت یہ ہے کہ اس سے قرآن کا کوئی عموم اس طرح محدود ممیز ہو جائے کہ کسی ایسی چیز کے اس عموم میں شامل ہونے کی راہ مسدود ہو جائے جس کا شامل ہونا لفظ کے مفہوم اور آیت کے منشاء کے خلاف ہے تو یہ تخصیص نہ صرف حدیث و سُنّت کے ذریعہ سے بلکہ ہمارے نزدیک قیاس واجتہاد کے ذریعے سے بھی ہو سکتی ہے

(ب) اور اگر اس تخصیص سے قرآن کے عموم کے اندر سے کوئی ایسی چیز نکل جاتی ہے جو لفظ کے مفہوم میں واضح طور پر شامل ہے اور اُس کے لیے قرآن کے حکم سے بالکل الگ حکم بیان ہوتا ہے جو قرآن کے حکم سے بھی اشد ہے تو یہ تخصیص نہیں بلکہ نسخ ہے۔ اور قرآن کی کسی چیز کے منسوخ کرنے کا اختیار پیغمبر صلّی اللہ علیہ وسلّم کو بھی نہیں ہے چہ جائیکہ حدیث و سُنّت کو یہ درجہ دیا جائے۔

اس کو مثال سے سمجھ لیجیے

پہلی تخصیص کی مثال یہ ہے کہ چوری پر قطع ید کے عام حکم کی تخصیص مثلاً ربع دینار والی روایت سے کی گئی ہے۔ یعنی قطع ید کا حکم صرف ان چوروں پر نافذ ہوگا جنھوں نے کم از کم ربع دینار کی چوری کی ہو۔ متعلقہ آیت یہ ہے۔

والسارق والسارقة فاقطعوا ایدیھما جزاء بما کسبا نکالا من اللہ۔

اور چور مرد اور چور عورت دونوں کے ہاتھ کاٹ دو اُن کے کیے کی پاداش اور اللہ کی طرف سے عبرتناک سزا کے طور پر

اس کو تخصیص کرنے والی روایت یہ ہے۔

عن عائشة عن النبی صلّی اللہ علیہ وسلم قال تقتطع ید السارق فی ربع دینار فصاعدا

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ نبی صلّی اللہ علیہ وسلّم نے ارشاد فرمایا چور کا ہاتھ چوتھائی دینار اور اس سے زائد میں کاٹا جائے گا۔

اس سے معلوم ہوا کہ قطع ید کا حکم آیت میں تو عام ہے، لیکن حدیث نے اس کو یُوں کہ دیا کہ اس پر ربع دینار کی قید عائد کر دی یعنی قطع ید کا حکم صرف ان چوروں پر نافذ ہو گا جنھوں نے کم سے کم ربع دینار کی چوری کی ہو۔ یہ تخصیص لفظ سارق کے صحیح مفہوم کی جو آیت میں مراد ہے وضاحت ہے۔ اس لیے کہ سارق ہر چھوٹی موٹی چیز اُٹھانے والے کو نہیں کہتے بلکہ محفوظ مال میں سے کسی ایسی چیز کی چوری کو کہتے ہیں جس کی کچھ قدر و قیمت ہو۔ یہ گویا لفظ سارق کے مفہوم کے مضمرات میں سے ہے جس کو حدیث نے واضح کر دیا۔ اس تخصیص سے آیت کا صحیح مفہوم معین ہو گیا اور اس کے الفاظ کے عموم سے جو التباس پیدا ہو سکتا تھا اس کی راہ مسدود ہو گئی۔ اس کو تخصیص کہتے ہیں۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس حکم عام میں ایک تخصیص اپنے اجتہاد سے بھی کی وہ یہ کہ قحط کے سال میں قطع ید کا حکم ملتوی کر دیا کہ اضطرار کا اندیشہ ہے۔ اس سے ہمارے اس خیال کی تائید ہوتی ہے جو ہم نے اُوپر ظاہر کیا ہے کہ یہ تخصیص ایک مجتہد کے اجتہاد سے بھی ہو سکتی ہے۔ اگرچہ اس کی حیثیت ایک امر اجتہادی کی ہو گی۔ یہ امر یہاں واضح رہے کہ ایک خلیفہ راشد کے اجتہاد کی دین میں بڑی اہمیت ہے۔

اصل یہ ہے کہ ہر عموم کے لیے کچھ فطری قیدیں اور تخصیصات ہوتی ہیں جو اس عموم کی مقترن اور ہمزاد ہوتی ہیں۔ مثلاً آیت توریث اپنے حکم میں عام ہے جیسا کہ ارشاد ہے۔

یوصیکم اللہ فی اولادکم للذکر مثل حظ الانثیین فان کن نساء فوق اثنتین فلھن ثلثا ما ترک و

اللہ تمہاری اولاد کے باب میں تمہیں ہدایت دیتا ہے کہ لڑکے کا حصّہ دو لڑکیوں کے برابر ہے اگر لڑکیاں دو سے زائد ہیں تو ان کے لیے ترکے کا دو تہائی ہے

ان كانت واحدة فلها النصف ولابويه لكل واحد منهما السدس مما ترك ان كان له ولد فان لم يكن له ولد و ورثه ابواه فلامه الثلث فان كان له اخوة فلامه السدس من بعد وصية يوصى بها او دين آباؤكم و ابناؤكم لا تدرون ايهم اقرب لكم نفعا فريضة من الله ان الله كان عليما حكيما (النساء ۴:۱۱)

اور اگر اکیلی ہے تو اس کے لیے آدھا ہے اور میت کے ماں باپ ان میں سے ہر ایک کے لیے اس کا چھٹا حصّہ ہے جو مورث نے چھوڑا اگر میت کے اولاد ہو، اور اگر اس کے اولاد نہ ہو اور اُس کے وارث ماں باپ ہی ہوں تو اس کی ماں کا حصّہ ایک تہائی اور اگر اس کے بھائی بہنیں ہوں تو اس کی ماں کے لیے چھٹا حصّہ ہے، یہ حصّے اس وصیّت کی تعمیل یا ادائے قرض کے بعد ہیں جو وہ کر جاتا ہے تم اپنے باپوں اور بیٹوں کے متعلق یہ نہیں جان سکتے کہ تمہارے لیے سب سے زیادہ نافع کون ہوگا۔ یہ اللہ کا ٹھہرایا ہُوا فریضہ ہے بے شک اللہ ہی علم و حکمت والا ہے۔

آیت کے حکم کی عمومیت کا ظاہر تقاضا تو یہ ہے کہ ہر باپ اپنے بیٹے کا اور ہر بیٹا اپنے باپ کا وارث ہو، لیکن اس کے اندر یہ تخصیص مضمر ہے کہ اختلاف دین کی صورت میں یہ عموم باقی نہیں رہے گا بلکہ یہ چیز توارث میں مانع ہوجائے گی۔ اس مضمر حقیقت کو آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم نے یوں کھول دیا۔

عن اسامة بن زيد ان النبى صلّى الله عليه وسلم قال لا يرث المسلم الكافر ولا الكافر المسلم۔

حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی صلّی اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا کہ مُسلمان کافر کا اور کافر مسلمان کا وارث نہیں ہو سکتا۔

یہی صُورت چوری پر قطع ید کے حکم کے عموم کی ہے۔ اس کا عموم تو بظاہر یہی ہے کہ ہر عمر ہر حیثیّت ہر معیار عقل و فہم کی چوری پر یہ سزا نافذ ہو، لیکن اس عموم کے اندر یہ مضمر ہے کہ چور عاقل بالغ ہو اس کی دماغی حالت دُرست ہو، وہ مُبتلائے اضطرار نہ ہو، شے مسروقہ کی تعداد اتنی ہو کہ اُس پر چوری کا اطلاق ہو سکے اور فعل کی نوعیّت ایسی ہو کہ اس میں تعمد پایا جاتا ہو۔ یہ ساری باتیں اس عموم کے اندر روزِ اوّل سے مضمر ہیں جن کو روایات اور فقہاء کے اجتہادات نے واضح کر دیا۔

دوسری تخصیص جو نسخ کے حکم میں داخل ہے کی مثال وہ ہے جو سورہ نور کے حکم الزانية والزانى۔ الآية

میں کی گئی ہے کہ بعض روایات کی بناء پر اس کو غیر شادی شدہ کے لیے خاص کر دیا گیا ہے اور شادی شدہ کو اس سے الگ کر کے اس کے لیے ایک مستقل حکم اس سے زیادہ سخت بیان کیا گیا ہے۔ حالانکہ الفاظ اور آیات کے اندر اس امتیاز کے لیے کوئی قرینہ و اشارہ نہیں ہے۔ آیت ملاحظہ ہو۔

الزانیۃ والزانی فاجلدوا کل واحد منھما مائۃ جلدۃ (النور) — زانی عورت اور زانی مرد دونوں میں سے ہر ایک کو سو سو کوڑے مارو۔

اب بھلا بتائیے جب الزانیۃ والزانی کہا جائے تو شادی شدہ اور غیر شادی شدہ کا کوئی تصور کہاں حائل ہوتا ہے کہ اس سے شادی شدہ مُراد نہیں ہو سکتا۔ دونوں پر اس کا اطلاق ہونا چاہیے۔ اس لیے کہ وہ تمام شرائط جو زنا کے ہیں وہ وہاں بھی پائے جاتے ہیں کوئی قرینہ بھی پہلے سے ایسا موجود نہیں ہے، جو یہ بتاتا ہو کہ یہاں شادی شدہ کو الگ کر کے اس کو رجم کیا جائے۔ یہ تخصیص نہیں ہے بلکہ یہ نسخ ہے اور نسخ کے متعلق وہی حکم ہے جو بیان کیا جا چکا ہے۔

ماعز بن مالک اسلمی کے واقعہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے تحقیق میں جو اس قدر جزرسی سے کام لیا کہ فقہاء نے اس سے یہ حکم نکالا ہے کہ مجرم کی تحقیق میں عریاں زبان استعمال کی جا سکتی ہے تو اس کی وجہ بھی یہی ہے کہ لفظ زنا کے عموم سے جو اشتباہ پیدا ہو سکتا ہے وہ دُور ہو جائے اور یہ لفظ اپنے اس مفہوم میں معین ہو جائے جو اس کو اصل سزا کا مستحق بناتی ہے۔

فقہاء مخصِّص اور مخصَّص میں افتراق کی جو شرط لگاتے ہیں۔ اُس کا مطلب یہی ہے کہ اس کے قرائن و آثار روزِ اوّل سے مخصص کے اندر موجود ہوتے ہیں۔ اگر کوئی چیز اس طرح کے کسی قرینہ کے بغیر کسی حکم پر وارد ہو جائے تو وہ مخصص نہیں بلکہ وہ ناسخ کہلائے گی اور قرآن میں نسخ کے لیے جو شرط ہے وہ اُوپر وضاحت سے بیان ہو چکی ہے۔ (رسالہ تدبر ع۶ ص ۳۵ تا ۳۹)

# حاصلِ مطالعہ

مولانا نعیم الدّین صاحب ، فاضل و مدرس جامعہ مدنیہ

## رمضان اور قرآن

قارئینِ محترم : رمضان کی آمد آمد ہے ، حسبِ سابق اس مرتبہ بھی ہم رمضان اور قرآن کی مناسبت ہی سے کچھ باتیں عرض کریں گے

اتنی بات تو تقریباً سب ہی جانتے ہیں کہ قرآنِ پاک آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم کا ایک عظیم الشان معجزہ ہے ، رہی یہ بات کہ اس کے وجوہِ اعجاز کیا ہیں۔ اس سے البتہ اکثر لوگ ناواقف ہیں؟ قرآنِ پاک کے معجزہ ہونے کی متعدّد وجوہات ہیں جو اس سلسلہ کی کتابوں میں مذکور ہیں ، اس موقع پر ہم وجوہِ اعجاز میں سے صرف ایک وجہ ذکر کرتے ہیں وہ وجہ ہے "تاثیرِ قرآنی" یعنی قرآنِ پاک میں اللہ تعالیٰ نے ایک خاص قسم کی اثر انگیزی رکھی ہے جو دُنیا کی کسی اور کتاب میں نہیں پائی جاتی۔

قرآن پاک کے سُننے سے ہر خاص و عام پر ایک خاص قسم کا اثر پڑتا ہے جو کسی اور کلام کے سُننے سے نہیں پڑتا ، یہ اس بات کی بیّن دلیل ہے کہ یہ خدا کا کلام ہے۔

قرآن پاک کی اثر انگیزی کا نتیجہ ہے کہ اس کے نزول سے دُنیا میں ایک عظیم انقلاب برپا ہُوا جو لوگ ہوا و ہوس کا شکار رحمان کے باغی اور شیطان کے پرستار تھے۔ قرآن کی بدولت اُن کی دُنیا بدل گئی۔ بے شمار لوگ قرآن سے متأثر ہو کر دولتِ ایمان سے مشرف ہُوئے اور لا تعداد لوگوں کو قرآن کے طفیل ہدایت نصیب ہُوئی۔

قرآنِ پاک کی اثر انگیزی کے بہت سے واقعات کُتبِ حدیث و تاریخ میں بکھرے پڑے ہیں۔ چند واقعات ذیل میں درج کیے جاتے ہیں۔

۱- حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور اقدس صلّی اللہ علیہ وسلّم نے مجھ سے فرمایا مجھے قرآن سُناؤ، مَیں نے عرض کیا آپ مجھ سے سننا چاہتے ہیں، حالانکہ قرآن آپ ہی پر نازل ہُوا ہے۔ آپ نے فرمایا، ہاں، جی یہی چاہتا ہے کہ قرآن کسی اور سے سُنوں۔ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ فرماتے ہیں مَیں نے سورۃ نساء کی تلاوت شروع کر دی جب اس آیت کریمہ پر پہنچا۔ فَكَيْفَ إِذَا جِئْنَا مِن كُلِّ أُمَّةٍۭ بِشَهِيدٍ (اس وقت کیا حال ہوگا جبکہ ہم ہر اُمّت میں سے ایک ایک گواہ کو حاضر کریں گے) تو آپ نے فرمایا: اب بس کر دو، مَیں نے آپ کی طرف نظر اُٹھا کر دیکھا تو آپ کی مُبارک آنکھوں سے آنسو بہہ رہے تھے۔[۱]

۲- حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ حضرت ابوبکر اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما (مسجد نبوی میں) بیٹھے ہُوئے تھے کہ آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم ازواجِ مُطہّرات میں سے کسی کے ہاں سے تشریف لائے اور ان حضرات کے پاس آکر کھڑے ہوگئے۔ آں حضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم کی ریش مُبارک میں سر سے زیادہ سفید بال آچکے تھے۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو یہ دیکھ کر رونا آگیا، عرض کرنے لگے یارسول اللہ (صلّی اللہ علیہ وسلّم) آپ پر تو بہت جلد بڑھاپا طاری ہوگیا، فرمایا: ہاں مجھے سورۃ ہود، سورۃ واقعہ، سورۃ القارعۃ، إِذَا الشَّمْسُ كُوِّرَتْ اور سَأَلَ سَائِلٌ نے بُوڑھا کر دیا۔[۲]

۳- ایک نوجوان صحابیؓ پر حضور اکرم صلّی اللہ علیہ وسلّم کا گزر ہُوا وہ تلاوت میں مشغول تھے جب وہ فَإِذَا انشَقَّتِ السَّمَاءُ فَكَانَتْ وَرْدَةً كَالدِّهَانِ پر پہنچے (جب آسمان پھٹ جائے گا اور ایسا سرخ ہو جائے گا جیسے سُرخ نری یعنی چمڑا) تو بدن کے بال کھڑے ہوگئے روتے روتے دَم گھٹنے لگا۔ کہہ رہے تھے: ہاں جس دن آسمان پھٹ جائیں گے (یعنی قیامت کے دن) میرا کیا حال ہوگا

[۱] بخاری ج ۲ ص ۶۵۹ [۲] قیام اللیل مروزی ص ۵۸

ہائے میری بربادی حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اس ذات کی قسم جس کے قبضۂ قدرت میں میری جان ہے۔ تمہارے اس رونے کی وجہ سے فرشتے بھی رونے لگے[1]

۴۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ بہت زیادہ رویا کرتے تھے بالخصوص جبکہ قرآن پاک پڑھتے تو پھر آپ کو آنسوؤں پر کنٹرول ہی نہیں رہتا تھا[2]

۵۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی شخصیت پر قرآن پاک کا بے حد اثر تھا، آپ کے ایمان لانے کا واقعہ مشہور ہے۔

روایات میں آتا ہے کہ آپ نے سورۂ طٰہٰ کا ابتدائی حصہ پڑھا تو اس سے اس قدر متأثر ہوئے کہ ایمان لے آئے۔ ایمان لانے کے بعد قرآن پاک سے اتنا لگاؤ اور تعلق ہوگیا تھا کہ جب کوئی شخص آپ کے سامنے کوئی آیت پڑھ دیتا تھا تو آپ سرِ تسلیم خم کر دیتے تھے۔ صحابہ کرام میں آپ کے متعلق یہ بات معروف و مشہور تھی "کَانَ وَقَّافاً عِندَ کِتَابِ اللّٰہِ" کہ آپ کتاب اللہ کے (احکام کے) آگے سب سے زیادہ گردن ڈال دینے والے ہیں۔ قرآن پاک پڑھتے تھے تو بے اختیار گریہ طاری ہوجاتا تھا[3]

"حضرت ابو رافع رحؒ فرماتے کہ ایک مرتبہ میں نے فجر کی نماز حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی اقتدا۔ میں پڑھی، میں مردوں کی سب سے آخری صف میں تھا حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے سورۂ یوسف کی تلاوت شروع کی، آپ بہت بلند آواز سے تلاوت فرماتے تھے، جب آپ اس آیت پر پہنچے۔ اِنَّمَآ اَشْکُوْ بَثِّیْ وَحُزْنِیْٓ اِلَی اللّٰہِ (میں اپنے رنج و غم کی صرف اللہ سے شکایت کرتا ہوں) تو رونے لگے اور اس قدر روئے کہ قرأت موقوف ہوگئی اور آگے نہ پڑھ سکے۔ (باوجودیکہ میں سب سے پچھلی صف میں تھا، لیکن مجھے آپ کے رونے کی آواز صاف سنائی دے رہی تھی"[4]

"حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ نے ابنِ ابی الدنیا کے حوالے سے نقل کیا ہے کہ ایک

---

[1] قیام اللیل ص۵۷ [2] قیام اللیل ص۵۷ [3] بخاری ج ۲ ص۶۶۹
[4] قیام اللیل ص۵۷

رات حضرت عمر رضی اللہ عنہ شہر کی دیکھ بھال کے لیے نکلے تو ایک مکان سے کسی مسلمان کی قرآن خوانی کی آواز کان میں پڑی وہ سورۃ وَالطُّوْرِ پڑھ رہے تھے۔ آپ نے سواری روک لی اور کھڑے ہو کر قرآن سُننے لگے۔ جب وہ اس آیت پر پہنچے۔ اِنَّ عَذَابَ رَبِّكَ لَوَاقِعٌ ۙ مَّا لَهٗ مِنْ دَافِعٍ ۙ (بے شک آپ کے رب کا عذاب واقع ہو کر ہی رہے گا۔ اس کو کوئی دفع کرنے والا نہیں) تو زبان سے نکل گیا۔ "رَبِّ کعبہ کی قسم سچّی ہے۔" پھر آپ سواری پر سے اُتر پڑے اور دیوار سے ٹیک لگا کر بیٹھ گئے۔ چلنے پھرنے کی طاقت نہ رہی۔ دیر تک بیٹھے رہنے کے بعد گھر تشریف لے گئے اس آیت کے اثر سے یہ حالت ہو گئی کہ ایک ماہ تک آپ بیمار پڑے رہے۔ لوگ بیمار پُرسی کو آتے تھے، لیکن کسی کو پتہ نہیں چلتا تھا کہ بیماری کیا ہے . . . حضرت حسن بصریؒ فرماتے ہیں کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ایک روز سورۂ طور پڑھی جب اس آیت پر پہنچے اِنَّ عَذَابَ رَبِّكَ لَوَاقِعٌ تو ایک سرد آہ بھری اور بیمار ہو گئے۔ اور ایسے بیمار ہُوئے کہ بیس دن تک لوگ عیادت کو آتے رہے۔"[1]

"حضرت جبیر بن مطعم رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں (مُسلمان ہونے سے پہلے) ایک مرتبہ مدینہ طیبہ اس لیے آیا کہ رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم سے بدر کے قیدیوں کے متعلّق گفتگو کروں، میں پہنچا تو آپ مغرب کی نماز میں سورۂ طور پڑھ رہے تھے (اور آواز مسجد کے باہر تک پہنچ رہی تھی) جب آپ اس آیت پر پہنچے۔ اِنَّ عَذَابَ رَبِّكَ لَوَاقِعٌ ۙ مَّا لَهٗ مِنْ دَافِعٍ ۙ تو اچانک میری یہ حالت ہُوئی کہ گویا میرا دل خوف سے پھٹ جائے گا۔ میں نے فوراً اسلام قبول کیا، مجھے اِس وقت یہ محسوس ہو رہا تھا کہ میں اس جگہ سے ہٹ نہیں سکوں گا کہ مجھ پر عذاب آ جائے گا۔"[2]

---

[1] تفسیر القرآن العظیم للحافظ ابن الکثیر (عربی) ج ۴ صفحہ ۲۴۲

[2] الجامع لاحکام القرآن للقرطبی ج ۱۷ ص ۶۳

۷۔ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کے بارے میں آتا ہے کہ آپ تلاوتِ قرآن کے وقت بہت رویا کرتے تھے، چنانچہ ایک روایت میں آتا ہے کہ

"ایک مرتبہ آپ نے سورۂ مُطَفِّفِيْنَ کی تلاوت شروع کی۔ جب آپ اس آیت پر پہنچے۔ يَوْمَ يَقُوْمُ النَّاسُ لِرَبِّ الْعٰلَمِيْنَ (جس دن تمام آدمی رب العٰلمین کے سامنے کھڑے ہوں گے) تو رونے لگے اور اس قدر روئے کہ آواز گلے کے بجائے ناک سے نکلنے لگی اور قراءت موقوف کرنی پڑی"[1]

۸۔ حضرت عامر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ اپنی وفات کے وقت رو رہے تھے، لوگوں نے عرض کیا کہ آپ تو عمر بھر اعمالِ صالحہ اور عبادات میں مشغول رہے، پھر رونے کی کیا وجہ ہے؟ فرمایا: تم یہ کہتے ہو اور میرے کانوں میں اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد گونج رہا ہے اِنَّمَا يَتَقَبَّلُ اللّٰهُ مِنَ الْمُتَّقِيْنَ (خدا تعالےٰ متقیوں کا عمل قبول کرتے ہیں) مجھے کچھ معلوم نہیں کہ میری کوئی عبادت قبول بھی ہوگی یا نہیں[2]

۹۔ حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ نے امام عبدالرزاق رحمہ اللہ کی سند سے نقل کیا ہے کہ

"ایک مرتبہ حضرت عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ اپنی اہلیہ کی گود میں سر رکھے ہوئے آرام فرما رہے تھے کہ اچانک رونے لگے، آپ کی اہلیہ بھی رونے لگیں، آپ نے اُن سے دریافت فرمایا کہ تم کیوں رونے لگیں؟ انہوں نے عرض کیا کہ آپ کو روتا دیکھ کر مجھے بھی رونا آگیا۔ آپ نے فرمایا کہ مجھے یہ آیت یاد آگئی تھی۔ وَاِنْ مِّنْكُمْ اِلَّا وَارِدُهَا ۚ كَانَ عَلٰى رَبِّكَ حَتْمًا مَّقْضِيًّا ۚ (تم میں سے کوئی ایسا نہیں جس کا جہنم پر سے گزر نہ ہو) معلوم نہیں اس سے چھٹکارا ہوگا یا نہیں، ایک دوسری روایت میں ہے کہ آپ اس وقت بیمار تھے"[3]

---

[1] قیام اللیل ص ۵۷

[2] معارف القرآن ج ۲ ص ۱۱۳

[3] تفسیر القرآن العظیم لابن الکثیر ج ۳ ص ۱۳۲

۱۰۔ "حضرت عثمان بن مظعون رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ شروع میں میں نے لوگوں کے کہنے سُننے سے شرما شرمی اسلام قبول کرلیا تھا، مگر میرے دل میں اسلام راسخ نہیں تھا۔ یہاں تک کہ ایک روز میں آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم کی خدمت میں حاضر تھا۔ اچانک آپ پر نزولِ وحی کے آثار ظاہر ہوئے اور بعض عجیب حالات کے بعد آپ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کا قاصد میرے پاس آیا اور یہ آیت مجھ پر نازل ہوئی۔ (اِنَّ اللّٰہَ یَاْمُرُ بِالْعَدْلِ وَالْاِحْسَانِ وَ اِیْتَآئِ ذِی الْقُرْبٰی وَ یَنْھٰی عَنِ الْفَحْشَآءِ وَالْمُنْکَرِ وَالْبَغْیِ یَعِظُکُمْ لَعَلَّکُمْ تَذَکَّرُوْنَ (بیشک اللہ تعالیٰ اعتدال اور احسان اور اہلِ قرابت کو دینے کا حکم فرماتے ہیں اور کھلی برائی اور مطلق بُرائی اور ظُلم کرنے سے منع فرماتے ہیں اور اللہ تعالیٰ تم کو اس لیے نصیحت فرماتے ہیں کہ تم نصیحت قبول کرو) حضرت عثمان بن مظعون رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ اس واقعہ کو دیکھ کر اور آیت سُن کر میرے دل میں ایمان مضبوط و مستحکم ہُوا اور رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم کی محبّت میرے دل میں گھر کر گئی"[۱]

۱۱۔ حضرت زُرارہ بن اَوفیٰ رحمہ اللہ (م ۹۳ ھ) جلیل القدر تابعی ہیں۔ حضرت عمران بن حُصَینؓ، حضرت ابوہریرہ اور حضرت عبداللہ بن عبّاس رضی اللہ عنہم سے شرفِ تلمذ حاصل ہے، اِن کے ایک شاگرد بَہزؒ بن حکیم کا کہنا ہے کہ

"حضرت زُرارہ بن اوفیٰؒ مسجدِ بنو قشیر (بصرہ) میں ہمیں نماز پڑھا رہے تھے جب اس آیت پر پہنچے۔ فَاِذَا نُقِرَ فِی النَّاقُوْرِ (جس وقت صور پھونکا جائے گا سووہ وقت یعنی وہ دن کافروں پر ایک سخت دن ہوگا۔) تو فوراً گر گئے اور انتقال ہوگیا۔ لوگ اُٹھا کر گھر تک لائے، اُٹھانے والوں میں مَیں بھی شریک تھا"[۲]

---

[۱] معارف القرآن ج ۵ ص ۳۷۶

[۲] سیر اعلام النبلاء ج ۴ ص ۵۱۶

۱۲۔ حضرت خالد بن حسان رحؒ فرماتے ہیں۔

"ایک مرتبہ حضرت خواجہ حسن بصری رحمہ اللہ (م ۱۱۰ھ) نے ہمارے شام کی آپ روزے سے تھے۔ میں افطار کے وقت کھانا لے آیا، اچانک آپ کو اس آیت کا دھیان آگیا۔ "اِنَّ لَدَیْنَآ اَنْکَالًا وَّجَحِیْمًا لا وَّ طَعَامًا ذَا غُصَّةٍ وَّعَذَابًا اَلِیْمًا قف (ہمارے یہاں بیڑیاں ہیں اور دوزخ ہے اور گلے میں پھنس جانے والا کھانا ہے اور دردناک عذاب ہے) آپ کھانا نہ کھا سکے فرمایا اُٹھالو، اگلے روز پھر شام کو ایسا ہی ہُوا۔ کھانا اُٹھوا دیا، تیسرے روز پھر ایسا ہی ہُوا، تو اُن کے صاجزادے حضرت ثابت بُنانی، یزید ضَبّیؒ اور یحییٰ بکّاءؒ کے پاس گئے اور حال سُنایا یہ تینوں حضرات آئے اور حضرت حسنؒ سے کھانے کا بہت اصرار کرتے رہے مجبور ہو کر کچھ تناول فرمایا۔"[1]

۱۳۔ حضرت محمد بن مُنکدرؒ رحمہ اللہ (م ۱۳۰ھ) جلیل القدر تابعی اور حضرت ابوہریرہ حضرت عبداللہ بن عبّاس حضرت جابر اور حضرت انس رضی اللہ عنہم جیسی عظیم ہستیوں کے شاگرد ہیں۔ اُن کے بارے میں علّامہ ذہبی رحمہ اللہ تحریر فرماتے ہیں۔

"ایک رات تہجّد میں اتنی کثرت سے رُوئے کہ حد نہ رہی بھائیوں میں سے کسی نے پُوچھا تو فرمایا تلاوت میں یہ آیت آگئی تھی وَ بَدَا لَھُمْ مِّنَ اللّٰہِ مَا لَمْ یَکُوْنُوْا یَحْتَسِبُوْنَ (اللہ کی طرف سے ان کے لیے (عذاب کا) وہ معاملہ پیش آئے گا جس کا اُن کو گمان بھی نہ تھا) وفات کے وقت بھی گھبرا رہے تھے اور فرماتے تھے کہ اسی آیت سے ڈر رہا ہوں۔"[2]

۱۴۔ حضرت امام اعظم ابوحنیفہؒ رحمہ اللہ (م ۱۵۰ھ) کے متعلق تواتر سے یہ بات ثابت ہے کہ آپ نے چالیس سال عشاء کے وضوء سے فجر کی نماز پڑھی ہے آپ کا معمول تھا کہ ہر روز تہجّد میں ایک قرآن پاک ختم

---

[1] روح المعانی ج ۱۰ ص ۱۲۳

[2] تذکرۃ الحفاظ ج ۱ ص ۱۲۷

کرتے تھے۔ رمضان المبارک میں اس معمول میں اضافہ ہوجاتا تھا، چنانچہ رمضان میں آپ اکسٹھ قرآن پاک ختم کرتے تھے ایک دن میں ایک رات میں اور ایک تراویح میں۔ خوف وخشیت کا یہ عالم تھا کہ بسا اوقات اگر کوئی آیت آخرت سے متعلق آجاتی تو اسی کو پڑھتے پڑھتے ساری رات گزر جاتی۔ بعض اوقات آپ پر لرزہ اور کپکپی طاری ہوجاتی، آپ کی عبادت و ریاضت سے متعلق بہت سے واقعات کتابوں میں مذکور ہیں۔ دو تین واقعات ذیل میں درج کیے جاتے ہیں۔

"حضرت امام صاحبؒ کے شاگرد زفر بن ہذیلؒ فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ امام صاحبؒ نے ہمارے یہاں رات گزاری۔ تہجد کی نماز میں قرأت کرتے ہوئے جب اس آیت پر پہنچے۔ بَلِ السَّاعَةُ مَوْعِدُهُمْ وَالسَّاعَةُ أَدْهَىٰ وَأَمَرُّ (بلکہ قیامت اُن کا وعدہ ہے اور قیامت بڑی سخت اور ناگوار چیز ہے۔) تو اس آیت کو پڑھتے پڑھتے ساری رات گزار دی"[1]

یہی واقعہ حضرت قاسم بن معنؒ سے بھی مروی ہے اس میں یہ بھی ہے کہ امام صاحبؒ اس آیت کو پڑھتے ہوئے روتے اور گڑگڑاتے رہے[2]

حضرت ابوزائدہؒ فرماتے ہیں: ایک مرتبہ ایسا ہوا کہ میں نے امام صاحبؒ کی مسجد میں امام صاحب کے ساتھ عشاء کی نماز پڑھی۔ نماز سے فارغ ہوکر سب لوگ چلے گئے۔ میری موجودگی کا کسی کو علم نہیں ہوا۔ میں امام صاحبؒ سے علیحدگی میں ایک مسئلہ دریافت کرنا چاہتا تھا، لیکن ہوا یہ کہ امام صاحبؒ نماز کے لیے اُٹھے نیت باندھی اور قرأت شروع کردی جب اس آیت پر پہنچے۔ فَمَنَّ اللّٰهُ عَلَيْنَا وَوَقَانَا عَذَابَ السَّمُومِ (سو خدا نے ہم پر بڑا احسان کیا اور ہم کو عذابِ دوزخ سے بچا لیا) تو اسی کو بار بار پڑھتے رہے۔ میں انتظار میں تھا کہ فارغ ہوں تو مسئلہ پوچھوں مگر آپ نے اس آیت کو پڑھتے پڑھتے صبح کردی حتّٰی کہ مؤذن

---

[1] مناقب ابی حنیفہ للامام الموفق ص۲۰۸، عقود الجمان ص۲۱۸

[2] عقود الجمان ص۲۲۴

نے آکر فجر کی اذان دے دی۔"[1]

"ابراہیم بصری رح فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ میں نے حضرت امام صاحب کے پہلو میں کھڑے ہوکر فجر کی نماز پڑھی جب امام نے یہ آیت تلاوت کی وَلَا تَحْسَبَنَّ اللّٰهَ غَافِلًا عَمَّا يَعْمَلُ الظَّالِمُوْنَ (اور جو کچھ یہ ظالم لوگ کر رہے ہیں اُن سے خدا تعالیٰ کو بے خبر مت سمجھئے) تو مجھے صاف محسوس ہُوا کہ امام صاحب رح خوف کی وجہ سے کانپ رہے ہیں۔"[2]

۱۵۔ حضرت خُلَیدؒ رحمہ اللہ ایک مرتبہ نماز پڑھ رہے تھے جب آپ اس آیت پر پہنچے۔ كُلُّ نَفْسٍ ذَآئِقَةُ الْمَوْتِ (ہر جان کو موت کا مزہ چکھنا ہے) تو اس کو بار بار پڑھنے لگے، تھوڑی دیر میں گھر کے ایک کونے سے آواز آئی کہ کتنی مرتبہ اس کو پڑھوگے۔ تمہارے اس بار بار کے پڑھنے سے چار جن مر چکے ہیں، حضرت خُلید پر اس کا اتنا اثر ہُوا کہ شدّتِ غم کی وجہ سے یُوں لگتا تھا کہ حواس کھو بیٹھے ہیں۔[3]

قارئین محترم تاثیرِ قرآن سے متعلق چند واقعات مشتے نمونہ از خروارے ذکر کیے گئے ہیں اِن جیسے دیگر بہت سے واقعات کتابوں میں پائے جاتے ہیں۔ اِن واقعات سے جہاں اعجازِ قرآنی کی صداقت کا اظہار ہوتا ہے۔ وہیں یہ واقعات ہمارے لیے باعث عبرت و موعظت بھی ہیں۔

**ایک سوال کا جواب** : بعض لوگ یہ سوال کرتے ہیں کہ قرآنِ پاک کی تاثیر پر ہمارا ایمان ہے اور بزرگوں کے واقعات کو بھی ہم مانتے ہیں، لیکن سوال یہ ہے کہ اس دَور میں یہ اثر کیوں نظر نہیں آتا؟ جواب یہ ہے کہ معالج جب کسی مریض کا علاج کرتا ہے تو اُسے دوائی کے ساتھ ساتھ پرہیز بھی بتلاتا ہے اگر مریض دوائی کے ساتھ پرہیز بھی کرتا ہے تو اسے شفا ہوتی ہے ورنہ نہیں اسی طرح سمجھ لیجیے کہ قرآن پاک نسخہ شفا ہے اس پر عمل کے ساتھ ساتھ پرہیز بھی ضروری ہے اور وہ ہے حرام کھانے پینے اور پہننے سے بچنا آج کل چونکہ رزق انتہائی مشکوک ہو چکا ہے اور حرام و حلال کی تمیز مشکل ہوگئی ہے اس لیے اثرات نظر نہیں آتے، تاہم اس گئے گزرے دَور میں بھی کچھ اللہ کے بندے ایسے ہیں جو حرام سے بچتے ہیں اور ان کی زندگیوں پر قرآن کے اثرات نمایاں نظر آتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ ہمیں اپنی مرضیات پر چلنے کی توفیق عطا فرمائے۔

---

[1] مناقب ابی حنیفۃ للامام الموفق ص۲۱۵ عقود الجمان ص۲۱۸ [2] عقود الجمان ص۲۲۸ [3] قیام اللیل ص۵۹

# جامعہ مدنیہ لاہور کیلئے تعاون کی اپیل

جامعہ مدنیہ لاہور کا شمار ملک کے عظیم دینی اداروں میں ہوتا ہے۔ اس کی ابتداء ۷۵ھ میں ہوئی تھی۔ گویا اِس وقت جامعہ زندگی کی ۳۹ بہاریں پوری کرکے چالیسویں میں داخل ہو رہا ہے۔ بحمداللہ اس عرصہ میں جامعہ سے سینکڑوں علماء اور کثیر تعداد میں حفاظ و قراء تیّار ہوئے۔ بفضلہ تعالیٰ جامعہ میں درسِ نظامی درجاتِ تکمیل اور درجاتِ تجوید و قرأت عشرہ و حفظ و ناظرہ و دینیات کا مکمّل انتظام ہے۔ حتیٰ کہ طب کی تعلیم بھی دی جاتی ہے۔ طلبہ خوشنویسی بھی سیکھتے ہیں۔

اس سال تقریباً ۷۳۹ طلبہ نے قابل و لائق اساتذہ کی زیرِ نگرانی مختلف شعبوں میں تعلیم حاصل کی، اُن میں ایک سو سے زائد طلبہ کے خورد و نوش و لحاف کپڑوں اور دیگر جملہ مصارف کا جامعہ کفیل رہا، لیکن گزشتہ چند سالوں میں ہوشربا گرانی نے اس درجہ پریشانی پیدا کر دی ہے کہ سب کارکنانِ مدرسہ اس بارے میں متفکر ہیں۔

اگر آپ یہ چاہتے ہیں کہ علومِ اسلامیہ کا یہ عظیم مرکز بیش از بیش علمی خدمات انجام دے اور مہمانانِ رسول ان قدسی علوم سے بہرہ ور ہوتے رہیں تو آپ خود بھی اس نیک کام میں پُوری قوّت سے مدد کیجیے اور اپنے احباب کو بھی اس کارِخیر میں حصّہ لینے کی ترغیب دیجیے۔ اللہ تعالیٰ ہم سب سے اپنے دینِ متین کی بیش از بیش خدمت لیں۔ آمین

ہم ہیں آپ کے مخلص

اراکینِ جامعہ مدنیہ لاہور